تحریک نفاذِ شریعت محمدی اور علماء کی ذمہ داریاں

۱۹۲۳ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کی صورت میں خلافتِ اسلامیہ کا ادارہ ختم ہو گیا۔ ملحد و سیکولر ترک رہنما مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنی ایک تقریر کے دوران آسمان کی طرف مکا لہرا کر خدا کو دکھایا اور مسلمانوں میں پہلی دفعہ خدا کے تصور کو ریاست سے جدا کرنے کی بدعت کا آغاز کیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے کفریہ عقائد و نظریات پر مبنی قانون سازی نے مملکتِ ترکی کو خلافتِ اسلامیہ سے جمہوریہ کفریہ کی طرف دھکیل دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر ۱۹۲۳ء تک خلافت اسلامیہ کسی نہ کسی شکل میں کہیں نہ کہیں قائم رہی تھی' لیکن اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس قدر المناک اور کربناک حادثہ پیش آیا کہ زمین و آسمان نے بھی اس پر آنسوؤں کے دریا بہا دیے کہ اُمتِ مسلمہ خلافت کے مقدس ادارے سے محروم ہو گئی۔

دوسری طرف خلافتِ اسلامیہ سے جمہوریہ کفریہ کی طرف ترکی کے اس سفر نے امت مسلمہ کے ہر خطے میں بے چینی اور اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب مصر' برصغیر پاک و ہند اور دنیا کے دوسرے خطوں میں خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لیے مختلف تحریکوں کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۲۳ء سے تا حال امت میں یہ فکر پھول کی خوشبو کی مانند پھیلتی ہی چلی گئی ہے کہ خلافت کے ادارے کی دوبارہ بحالی مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے اور اس عالم ارضی میں مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔

چنانچہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی علماء' دینی جماعتوں کے قائدین اور صالح فکر کے حامل مفکرین نے پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے آئینی و قانونی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا ظفر احمد انصاری' ڈاکٹر محمد حمید اللہ' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور سردار عبدالرب نشتر رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہوئی اور ریاست جمہوریہ پاکستان نے اس قرارداد کو اپنے آئین کا مقدمہ بناتے ہوئے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اور بظاہر مسلمان ہو گئی۔

قرار دار مقاصد کے منظور ہونے کے بعد بھی علماء کی طرف سے نفاذ اسلام کی آئینی وقانونی کوششیں جاری رہیں۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آئین سازی کے لیے سرکاری سطح پر ایک بورڈ قائم کیا گیا' جس کا نام ''بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ' رکھا گیا۔ اس بورڈ میں اگرچہ اُس وقت کے نامور دانشور اور علماء مثلاً سید سلیمان ندوی' ڈاکٹر محمد حمید اللہ' مفتی محمد شفیع صاحب' مولانا ظفر احمد انصاری اور مفتی جعفر حسین وغیرہ شامل تھے' لیکن حکومت نے اس بورڈ کی پیش کی گئی سفارشات کو قانون سازی میں کوئی اہمیت نہ دی۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد جب بھی علماء یا دینی حلقوں کی طرف سے حکمران طبقے سے اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا تو ان کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ استعجاب جاری ہو جاتا کہ کون سا اسلام نافذ کیا جائے؟' حنفی؟ بریلوی؟ شافعی؟ اہل تشیع کا؟ یا اہل حدیث کا؟ چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ملک کے نامور شیعہ' بریلوی' دیوبندی اور اہلحدیث علماء کی ایک جماعت نے بائیس نکات پر مشتمل ایک متفقہ فارمولا منظور کیا۔ اس قرارداد پر دستخط کرنے والوں میں مولانا مودودی' سید سلیمان ندوی' مفتی محمد شفیع' مولانا ظفر احمد انصاری' مولانا ادریس کاندھلوی' مولانا محمد علی جالندہری' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا عبدالحامد بدایونی' پیر مانکی شریف اور مفتی جعفر حسین وغیرہ رحمہم اللہ جیسی نامور شخصیات شامل تھیں۔

علمائے حق کی جانب سے پاکستان کے قانون اور آئین کو اسلامی بنانے کی یہ کوششیں تقریباً نصف صدی تک جاری رہیں[1]۔ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ ہو یا ادارہ تحقیقات اسلامیہ' اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا وفاقی شرعی عدالت' ان سب اداروں کا قیام علماء کی اسی جدوجہد کا مرہون منت تھا۔ ایک وقت تھا کہ جب اسلامی نظریاتی کونسل میں ملک کے جید علماء شامل ہوتے تھے اور اب صورت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بہرحال اکثر و بیشتر ایسا ہوا کہ علماء کی تحریک کے نتیجے میں حکومت وقت کی طرف سے جب بھی قانون و آئین کو اسلامی بنانے کے لیے کچھ ادارے قائم ہوئے یا بورڈ بنائے گئے' تو وہ یا تو ملکی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے' یا اگر علمائے حق کو ان اداروں میں نمائندگی کا موقع دیا بھی گیا تو ان کی بیش بہا تحقیقات کو ردّی کی ٹوکری کی نذر کر دیا گیا۔ اصحاب اقتدار کے اس طرز عمل کی وجہ سے آہستہ آہستہ علماء کے طبقے میں بھی مایوسی اور بددلی اس قدر گھر کر گئی کہ وہ نفاذِ اسلام کے لیے پرامن آئینی وقانونی جدوجہد سے بھی کٹ کر ہمہ تن قرآن وحدیث کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا!

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے نتیجے میں پاکستان کے مذہبی حلقوں میں جذبۂ جہاد کی آبیاری ہوئی۔ اس جہاد کے نتیجے میں افغانستان میں روس کو شکست ہوئی اور کچھ

(۱) علماء کی اس طویل جدوجہد کا تذکرہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنے ایک مقالے میں کیا ہے جو ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں کی کتاب ''علم اصولِ فقہ: ایک تعارف'' کی تیسری جلد میں شامل ہے۔

عرصہ تک باہمی خانہ جنگی کے بعد بالآخر طالبان کی حکومت قائم ہوگئی۔ نائن الیون کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ ہوا اور امارتِ اسلامیہ افغانستان ختم ہوگئی۔ اب امریکہ کے خلاف طالبان کی طویل گوریلا جنگ کا آغاز ہوا۔ وزیرستان، مالاکنڈ ڈویژن، سوات اور صوبہ سرحد کے دوسرے حصوں سے مجاہدین کی ایک بہت بڑی تعداد جہادِ افغانستان میں شریک ہونے کے لیے افغانستان گئی، لیکن وہاں طالبان کو اُس وقت کے مخصوص حالات کے اعتبار سے تعداد کی نسبت حکمت عملی اور جدید اسلحہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ لہٰذا افغانستان کے خاص حالات کے پیش نظر پاکستانی مجاہدین کی اتنی بڑی تعداد طالبان کے لیے ایک اضافی بوجھ تو بن سکتی تھی لیکن مفید بالکل بھی نہ تھی۔ طالبان قیادت سے مشورے کے نتیجے میں یہ مجاہدین واپس پاکستان آ گئے۔ دوسری طرف امریکہ نے جب پرویز مشرف حکومت پر القاعدہ، طالبان اور عرب مجاہدین کو پکڑوانے میں تعاون کے لیے دباؤ ڈالا تو پرویز مشرف حکومت نے امریکی ڈالروں کے حصول کی خاطر، افغانستان سے واپس آنے والے سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کے مقامی مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا شروع کر دیا، جو کہ امریکہ کو اصلاً مطلوب بھی نہ تھے (۲)۔

اس عمل کے نتیجے میں صوبہ سرحد کے اس خطے کے عوام میں حکومت کے خلاف شدید نفرت پر مبنی ردعمل پیدا ہوا اور پرویز مشرف کی ظالم حکومت کے خلاف انتقامی جذبات نے ایک مقامی تحریک جہاد کی صورت اختیار کر لی۔ اقتدار کے نشے میں مست فوجی ڈکٹیٹر نے اس تحریک کو دبانے کے لیے معصوم سواتی عوام پر وحشیانہ بمباری کروائی۔ رہی سہی کسر وزیرستان اور قبائلی علاقوں میں امریکی جہازوں کے ڈرون حملوں اور اس پر حکومت وقت کی مجرمانہ خاموشی نے پوری کر دی، جس کا دائرہ آئے روز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ کے ان حملوں کے جواب میں سوائے وائٹ ہاؤس کی خدمت میں درخواستیں پیش کرنے کے ہماری افواج یا حکومت وقت میں کوئی کاروائی کرنے کی ہمت یا جرأت نہیں ہے۔ صلیبی ٹیکنالوجی کا اس قدر رعب وخوف ہمارے جرنیلوں کے دلوں میں بٹھا دیا گیا اور امریکی ڈالروں کی ایسی محبت ہمارے حکمرانوں کے جسم و جان میں پلا دی گئی ہے کہ اگر امریکہ پاکستان کے صوبہ سرحد کی طرح چاروں صوبوں پر بھی ڈرون حملے شروع کر دے تو شاید پھر بھی حکومت پاکستان کی رِٹ (writ) چیلنج نہیں ہوگی، لیکن اگر سوات کے عوام حکومت کے ظالمانہ عدالتی نظام سے نجات حاصل کرنے کے لیے عدل وانصاف مہیا کرنے والی عدالتوں کے قیام پر اصرار کریں تو حکومت پاکستان کے لیے رِٹ (writ) کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

وزیرستان کے جہاد کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہاں بھی عرب مجاہدین کو پکڑوانے کے لیے پرویز

(۲) اس بارے میں مزید معلومات کے لیے مراد کرنازکی عبرت ناک داستان بعنوان ''جب مجھے تین ہزار ڈالر میں امریکیوں کے ہاتھ فروخت کیا گیا'' ماہنامہ اردو ڈائجسٹ فروری ۲۰۰۹ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

مشرف حکومت کی طرف سے فوج کشی کی گئی' جس کے نتیجے میں وہاں کے قبائلیوں نے اپنے جان و مال کے تحفظ کی خاطر حکومت پاکستان کے خلاف دفاعی جہاد شروع کیا' جس نے اپنوں کے خون کے قصاص کی خاطر بالآخر اقدامی قتال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ قبائلی علاقوں اور مالاکنڈ ڈویژن میں امریکہ اور اس کی حواری پاکستانی حکومت کے خلاف دفاعی جہاد کی اس تحریک نے کئی ایک طالبان گروہوں اور جہادی تحریکوں کو جنم دیا' اور بڑھتے بڑھتے اس تحریک نے اقدامی قتال' خودکش حملوں' قتال فرض عین اور امریکہ نواز حکومتوں کی تکفیر کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔

اس دفاعی جہاد کے اقدامی قتال کے مرحلے میں داخل ہونے کے پیچھے مقامی افراد کے ردعمل کے علاوہ ایک اہم سبب یہ سوچ بھی ہے کہ پاکستان میں بھی ایک حقیقی اسلامی ریاست کا قیام صرف عسکری طریقے ہی سے ممکن ہے۔ سوات میں ابھرتی ہوئی طالبان تحریک' امریکہ نواز حکومتوں کی ظالمانہ پالیسیوں کا ردعمل ہے۔ پاکستان کے مذہبی حلقوں کے خلاف حکومتوں کی مسلسل غیر منصفانہ پالیسیوں نے یہ فکر عام کر دیا ہے کہ مذہبی حلقوں کو امریکہ کی غلامی کے علاوہ پاکستان کے ظالم حکمرانوں سے بھی نجات حاصل کرنی ہے۔ اس میں کیا شک ہے آزادی ہر مسلمان ہی نہیں' ہر انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔ آج صوفی محمد کی تحریک کو کبھی رحمان ملک' کبھی آصف زرداری' کبھی الطاف حسین اور کبھی کوئی جرنیل یہ الزام دیتے نظر آتے ہیں کہ یہ تحریک لوگوں پر اسلام کے نام پر جبراً اپنے انتہا پسندانہ نظریات مسلط کرنا چاہتی ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کے بعد سے اب تک تقریباً ساٹھ سال کے طویل عرصے میں چند افراد پر مشتمل حکومتی ٹولے یا مارشل لاء ڈکٹیٹروں نے ملک کے اکثریتی مذہبی حلقوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ آئین و قانون کے نام پر عوام الناس پر ان کی مرضی کے خلاف اپنے ملحدانہ اور کفریہ نظریات کو کبھی انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نام پر اور کبھی تحفظ حقوق نسواں بل کی آڑ میں جبراً نافذ کرنا یا پاکستانی عوام کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے ہاتھوں چند ڈالروں کے عوض بیچ دینے کو کیا آزادی و مساوات کا نام دیا جائے؟ بیروزگاری کے عفریت' معاشی بدحالی' فقر و فاقہ کے نتیجے میں خودکشیاں' غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ' جرائم کی کثرت' عدالتوں میں انصاف کا بحران' پولیس اور لینڈ مافیا کا ظلم و ستم' امن و امان کی تباہی' انٹرنیٹ اور کیبل کی صورت میں عریانی و فحاشی کا سیلاب' وڈیرہ شاہی' جاگیردارانہ نظام' کرپشن' رشوت خوری' چوری و ڈکیتی' زنا و گینگ ریپ' عورتوں کو زندہ دفن کر دینا' غیر انسانی طبقاتی تقسیم' منشیات و شراب کی سرعام فروخت' گلی کوچوں اور سڑکوں پر ڈاکوؤں کی قتل و غارت اور عامۃ الناس پر ظلم و ستم کی انتہا کرنے والی لسانی و علاقائی تنظیمیں' کیا پاکستان کے عوام یہ سب کچھ چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کو ان پر مسلط کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ حکومت کا ظالمانہ اور کرپشن پر مبنی ناقص نظام یا طالبان؟ پاکستانی معاشرے پر ان گندگیوں کو کس نے جبراً مسلط کیا ہے؟ حکومت وقت نے یا مولانا صوفی محمد نے؟

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام یا نفاذِ شریعت یا قیامِ عدلِ اجتماعی یا ظالم حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے کے حوالے سے مذہبی طبقے اپنی جدوجہد کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو مناہج میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک منہج تو عسکری ہے جو حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا ثمر ہے اور دوسرا منہج اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر اس جدوجہد پر مشتمل ہے جو پاکستان کے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد علماء اور دینی تحریکوں نے نفاذ شریعت کے لیے دوسرے منہج کو ہی اختیار کیا۔ ہمارے خیال میں اس طریقہ کار کو اختیار کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پاکستان کے حکمران اُس وقت کے علماء کی نظر میں ''مسلمان'' تھے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر پاکستان کے حکمران کافر ہوتے تب بھی علماء اسلامی ریاست کے قیام کے لیے دوسرے منہج ہی کو اختیار کرتے' کیونکہ پہلا منہج ناقابل عمل ہونے کی بنا پر ناممکن نظر آتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں' برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد بیشتر علماء نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس خطہ ارضی میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ بحال کرنے کے لیے عسکری طریقہ کار ممکن نہیں رہا تو انہوں نے اگلی ایک صدی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) تک مسلمانوں کی آزادی اور ایک اسلامی ریاست کے قیام کی خاطر اپنی جدوجہد کا رخ آئینی' قانونی اور سیاسی طریقہ کار کی طرف پھیر دیا۔ لال مسجد کے واقعے کے بعد علماء کے بیانات سے ایک دفعہ پھر یہ بحث واضح ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنے حق میں نفاذِ شریعت کے لیے پرامن انقلابی جدوجہد ہی کو موزوں منہج قرار دیا ہے۔ اگرچہ علماء وہ جدوجہد کر رہے ہیں یا نہیں.....' یہ ایک سوالیہ نشان ضرور باقی رہ جاتا ہے۔

سوات میں تحریک نفاذ شریعت محمدی کے بارے میں اس وقت مذہبی حلقے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک تو حکومتی و سیاسی ملاؤں کا ٹولہ ہے جو حکومت وقت کی تائید و خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ درباری مولویوں اور گدی نشینوں کا یہ طبقہ کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ توحید کے متوالوں کی حکومت قائم ہو اور مذہبی استحصال پر مبنی ان کا کاروبار و تجارت متاثر ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سرکاری مولویوں نے مولانا صوفی محمد کے بعض فتاویٰ پر شدید جرح کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولانا صوفی محمد نے پارلیمنٹ کو کفریہ قرار دیا ہے تو مغربی طرز کے سیکولر جمہوری نظام کے کفر ہونے میں راسخون فی العلم کے ہاں کہاں دو آراء پائی جاتی ہیں؟ جمہوری نظام کفر تو ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کفر کے ساتھ رویہ یا معاملہ کیسا ہونا چاہیے؟ اس کفریہ نظام میں رہتے ہوئے اس کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کیسے ہو؟ کفریہ نظام کی تبدیلی کے لیے اس میں شامل ہو کر اس کے خلاف جدوجہد کی جائے' مثلاً بذریعہ انتخاب یا کسی حکومتی ادارے مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی سرپرستی کے ذریعے آئین' قانون اور نظام میں تبدیلی لائی جائے یا اس سے باہر رہتے ہوئے انتخابات کے علاوہ احتجاج کا رستہ اختیار کیا جائے؟ یہ درحقیقت علماء کے مابین محل اختلاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مولانا صوفی محمد کے اس بیان سے کسی فتویٰ کی اہمیت سامنے آئی ہے اور حکمران طبقے نے اپنے خلاف کفر کے فتویٰ میں جو دفاعی انداز اختیار کیا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ ہمارے خیال میں یہ وہ موقع ہے جبکہ علمائے پاکستان کو متحد ہو کر پارلیمنٹ' حکومت وقت اور سیکولر جمہوری نظام کی شرعی حیثیت کو فتویٰ کی زبان سے واضح کرنا چاہیے' اور اس میں بنیادی مقصد لوگوں کو خروج یا بغاوت پر آمادہ کرنا نہ ہو' بلکہ:

(۱) اس سے اصل مقصود الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اس بحث کو اجاگر کرنا ہو کہ کیا قرآن وسنت کی روشنی میں حکمران طبقے' موجودہ جمہوری نظام اور حکومتی پالیسیوں میں واقعتاً کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر وہ تکفیری فتویٰ کے مستحق ٹھہرتے ہیں تاکہ حکومت وقت کی خارجہ وداخلہ پالیسیوں میں اپنے عوام کے بنیادی حقوق کا پاس کرنے' عدل وانصاف کی فراہمی اور اسلامی تعلیمات کے لحاظ کی طرف مثبت میلان ورجحان پیدا ہو۔

(۲) اس اجتماعی فتوے سے ایک دوسرا اہم تر مقصد یہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ آیا ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قیام اور نفاذ شریعت کے لیے وکلاء کی تحریک یا نواز شریف کے لانگ مارچ کی طرز پر سارے ملک میں ایک پرامن عوامی احتجاجی تحریک برپا کی جا سکتی ہے؟

ہمارے مخلص مذہبی طبقے کا بالخصوص المیہ یہ ہے کہ نفاذِ شریعت یا قیامِ خلافت کے لیے ان کے ذہن میں کوئی منہج ہے تو وہی خروج یا بغاوت کا طریقہ کار ہے جو فی زمانہ ریاست اور کسی عوامی جماعت کے مابین بہت زیادہ عدم توازن کی وجہ سے ناقابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی ہو چکا ہے' اور اس منہج کے تیزی سے پھیلنے کا بنیادی سبب ہمارے حکمرانوں کا حد سے بڑھتا ہوا ظلم ہے۔ اگر جذبات کی بات ہوتی تو شاید ہم بھی کہتے کہ معصوم بچیوں' عورتوں' بوڑھوں اور نوجوانوں کے ان قاتلوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں مال روڈ پر لٹا کر ان پر ٹینک چڑھا دیے جائیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم کر کیا سکتے ہیں؟ اس وقت جذبات سے زیادہ عقل کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی علم بردار عسکری تنظیموں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہاں عمل' فکر سے پچاس کلومیٹر آگے دوڑ رہا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فکر وعمل کے مابین مقابلہ ہو رہا ہو۔ اس وقت امت مسلمہ کو امریکہ اور اس کے حواریوں سے یہ جنگ جیتنے کے لیے جسم وجان سے زیادہ فکر ونظر کی ضرورت ہے۔ نفاذِ شریعت کے لیے ایک طویل جدوجہد کے بعد مولانا صوفی محمد دامت برکاتہ کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ پاکستان میں عسکریت کے رستے کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے خیال میں اگر لال مسجد کے واقعے میں بھی ایک پرامن احتجاجی تحریک کی صورت میں نفاذ شریعت کا مطالبے کو آگے بڑھایا جاتا تو بہت بہتر تھا۔

اس وقت لوہا گرم ہے اور اس کو چوٹ لگانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ علمائے پاکستان کی یہ

ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مالاکنڈ میں شریعت کے نفاذ کے تحفظ اور پورے ملک میں نظام عدل کے قیام کی خاطر ایک پرامن احتجاجی تحریک کا آغاز کریں۔ سیاسی پارٹیاں اپنے عہدوں اور وکلاء انگریزوں کے بنائے ہوئے کالے قوانین کے تحفظ کی خاطر قربانیاں دے سکتے ہیں' مظاہرے کر سکتے ہیں' دھرنے دے سکتے ہیں تو علماء اور طالبان' دین اسلام' ظلم وستم کے خاتمے اور عدل وانصاف کے قیام کی خاطر کیوں ایسا نہیں کر سکتے؟ ہمارے ہاں عام طور پر مفتیان کرام مجاہدین کے حق میں قتال کی فرضیت کے فتوے جاری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ شاید انہوں نے اپنے حصے کا فرض ادا کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امریکہ' برطانیہ' اسرائیل' انڈیا اور ان کے حواریوں کے ظلم و بربریت کے خلاف قتال فرض ہے! ہمیں اختلاف قتال کی فرضیت میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ کس پر فرض ہے؟ ہمارے نزدیک یہ قتال اسلامی ریاستوں کے سربراہان' حکمرانوں اور اصحاب اقتدار پر فرض ہے اور علماء' طالبانِ دین اور مصلحین پر فرض یہ ہے کہ اپنے ملک کے حکمرانوں اور اصحاب اقتدار کو اس قتال پر ہر آئینی' احتجاجی' قانونی' لسانی' علمی' اخلاقی اور تحریری ذرائع ووسائل' اخبارات' رسائل وجرائد' الیکٹرانک میڈیا' جلسے جلوسوں' دھرنوں' سیمینارز اور کانفرنسوں کے انعقاد' اجتماعی مباحثوں اور مکالموں اور عوامی دباؤ کے ذریعے مجبور کریں' اور اگر پھر بھی حکمران اس فریضے کی ادائیگی سے انکار کریں تو مذکورہ بالا تمام پرامن کوششوں کے ذریعے' ان حکمرانوں کی معزولی اور ان کی جگہ اس عہدے کی اہلیت رکھنے والے اصحاب علم وفضل کی تقرری' علماء اور داعیانِ حق کا بنیادی فریضہ ہوگا' تاکہ ریاستی سطح پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عالمی ظلم کے خلاف قتال کا فریضہ سرانجام دیا جا سکے۔ ہمارے نزدیک علماء کا جہاد یہ ہے کہ علمائے کرام' دینی جماعتیں' ان کے کارکنان اور دینی مدارس کے طلبہ' وزیرستان اور دوسرے قبائلی علاقوں میں ہونے والے وحشیانہ ڈرون حملوں اور قبائلی علاقوں میں پاکستانی افواج وفضائیہ کی پرتشدد کارروائیوں کے خلاف ملک گیر سطح پر پرامن جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کریں' عوام الناس کی رائے ہموار کریں' سٹریٹ پاور بڑھائیں اور اسلامی نظامِ عدل اجتماعی کے نفاذ تک وکلاء کی طرح مسلسل مظاہرے کریں' امریکہ کی حمایت ختم کرنے کے لیے امریکہ نواز حکومت کے خلاف دھرنے دیں۔ بے غیرت' بے دین اور ظالم حکمرانوں کی معزولی اور قیامِ عدلِ اجتماعی کی خاطر پرعزم لانگ مارچ کریں۔ پاکستان کی پاک سرزمین پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ہر پرامن جدوجہد اختیار کریں اور نتائج اللہ کے حوالے کر دیں۔

المیہ یہ ہے کہ پاکستان کا مذہبی طبقہ اس طرح کی پرامن جدوجہد کے ذریعے اسلام' جہاد اور مجاہدین کی جو مدد کر سکتا ہے وہ تو وہ کرتا نہیں ہے' بس ساری توانائی اس پر ہی خرچ ہو جاتی ہے کہ ایک عام سپاہی یا فوجی کافر ہے یا مسلمان؟ عام مسلمان پر قتال فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ مدارس میں بیٹھ کر جہاد کے حق میں فرض عین ہونے کے فتاویٰ جاری کرنے سے یہ نفسیاتی تسکین تو کسی مفتی صاحب کو حاصل ہو سکتی ہے کہ

انہوں نے جہاد کی خاطر بہت گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں‘ لیکن اگر یہی حضرات جہاد اور مجاہدین کے حق میں حکومت کے خلاف پرامن مظاہرہ کرتے اور وکلاء کی طرح پولیس کی لاٹھیاں کھا کر زخمی ہوتے اور آنسوگیس کا مقابلہ کرتے تو خارج میں نتائج بہت مختلف ہوتے۔ ہمارے خیال میں پاکستان میں اسلام و عدل کا نفاذ پرامن جدوجہد اور قربانیاں دینے سے ہوگا‘ اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے بعد ملتِ کفر سے جہاد و قتال کا مرحلہ آئے گا‘ اور ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ریاستی سطح پر ہونے والے جہاد و قتال سے ہوگا‘ ان شاء اللہ۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ انڈیا ہو امریکہ‘ اسرائیل ہو یا برطانیہ‘ ان ظالم اقوام کے ظلم کے خلاف جہاد و قتال اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ کسی ایک خطے‘ مثلاً پاکستان میں پہلے اسلامی نظام کا نفاذ ہو جائے اور پھر ریاست کی سطح پر ان عالمی دہشت گردوں کے خلاف قتال کیا جائے۔ پس پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ صحیح منہج پر قائم ہونے والی جہاد و قتال کی عالمی تحریک کا پہلا زینہ ہے‘ اور ہمارے خیال میں اس پہلے زینے تک پہنچنے کے لیے کامیاب طریقہ کار وہی ہوگا جو کہ عدم تشدد پر مبنی ہو۔ علماء کو چاہیے کہ وہ اس منہج پر کاربند تحریکوں کے تعاون سے نفاذ شریعت کے لیے ایک عظیم احتجاجی تحریک کی بنیاد رکھیں۔ یہی ہمارے نزدیک جہاد کا وہ حقیقی عمل ہے جس کو تیز کرنے کی اشد ضرورت ہے‘ اور یہ اُسی وقت تیز ہوسکتا ہے جبکہ علمائے دیوبند‘ اہل الحدیث علماء اور بریلوی اہل علم کی سرپرستی اس کو حاصل ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اس وقت اپنی سرپرستی میں ایک پرامن تحریک کا آغاز کریں۔ عدل کے قیام‘ غریب کو انصاف مہیا کرنے‘ ساری قوم کو امریکہ کی غلامی سے نجات دلوانے‘ ظالم حکمرانوں کے ظلم کے خاتمے‘ حدود اللہ کے نفاذ‘ امن و امان کے قیام‘ عریانی و فحاشی کے سیلاب کی روک تھام‘ اُخروی نجات اور مسلمانانِ پاکستان کی دُنیوی فلاح و بہبود کی خاطر ایک ایسی پرامن احتجاجی تحریک برپا کرنے میں آخر کیا مانع ہے کہ جس میں علماء کسی کی جان لینے کی بات نہ کرتے ہوں‘ بلکہ ظالم و فاسق حکمرانوں سے آزادی کے طلب گار ہوں؟ پاکستان کے مذہبی حلقوں کو ان ظالم حکمرانوں اور ان کے جابرانہ نظام سے آزادی کی یہ جنگ لڑنی ہوگی۔ یہ جنگ ضرور ہوگی۔ آج نہیں تو کل‘ کل نہیں تو پرسوں! اور یہ جنگ بغیر کسی بندوق‘ کلاشنکوف‘ اسلحے یا راکٹ لانچر کے لڑی جاسکتی ہے‘ اور ان شاء اللہ فتح ہمارا مقدر ہے! اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و أرنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔ OO

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۂ آل عمران (مسلسل)

آیات ۱۰۶ تا ۱۰۹

﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾

ذ و ق

ذَاقَ (ن) ذَوْقًا : کسی چیز کا مزہ چکھنا۔﴿فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ (التغابن:۵) ''تو ان لوگوں نے چکھا اپنے کام کا وبال۔''

ذُقْ (فعل امر) : تو چکھ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذَائِقٌ (اسم الفاعل) : چکھنے والا۔﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (العنکبوت:۵۷) ''ہر ایک جان موت کو چکھنے والی ہے۔''

اَذَاقَ (افعال) اِذَاقَةً: کسی کو مزہ چکھانا۔﴿وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا﴾ (الروم:۳۶) ''اور جب کبھی ہم مزہ چکھاتے ہیں لوگوں کو کسی رحمت کا تو وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اس سے۔''

ترکیب: ''وُجُوْهٌ'' غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے افعال واحد مؤنث کے صیغوں میں

آئے ہیں۔''اَکَفَرْتُمْ'' سے پہلے ''فَیُقَالُ لَھُمْ'' محذوف ہے۔''فِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ'' کا مبتدأ ''ھُمْ'' محذوف ہے اور اس کی خبر بھی محذوف ہے۔''مَا'' کا اسم ''اَللّٰهُ'' ہے اور اس کی خبر جملہ فعلیہ ''یُرِیْدُ ظُلْمًا'' ہے اور یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے' جبکہ ''ظُلْمًا'' مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔''لِلّٰهِ'' پر لامِ تملیک ہے۔

ترجمہ:

یَّوْمَ : جس دن	تَبْیَضُّ: سفید ہوں گے
وُجُوْهٌ : کچھ چہرے	وَّتَسْوَدُّ :اور سیاہ ہوں گے
وُجُوْهٌ : کچھ چہرے	فَاَمَّا الَّذِیْنَ :پس وہ لوگ جو ہیں
اسْوَدَّتْ :سیاہ ہوئے	وُجُوْهُھُمْ :جن کے چہرے
اَکَفَرْتُمْ :(کہا جائے گا ان سے) کیا تم نے کفر کیا	بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ :اپنے ایمان کے بعد
فَذُوْقُوا:(اچھا تو) پھر تم لوگ مزہ چکھو	الْعَذَابَ :عذاب کا
بِمَا :بسبب اس کے جو	کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ :تم لوگ کفر کیا کرتے تھے
وَاَمَّا الَّذِیْنَ :اور وہ لوگ جو ہیں	ابْیَضَّتْ: سفید ہوئے
وُجُوْهُھُمْ :جن کے چہرے	فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ :تو (وہ لوگ) اللہ کی رحمت میں ہوں گے
هُمْ :وہ لوگ	فِیْهَا :اس میں
خٰلِدُوْنَ :ہمیشہ رہنے والے ہیں	تِلْکَ یہ
اٰیٰتُ اللّٰهِ :اللہ کی آیتیں ہیں	نَتْلُوْهَا :ہم پڑھ کر سناتے ہیں انہیں
عَلَیْکَ آپؐ کو	بِالْحَقِّ :حق سے
وَمَا اللّٰهُ :اور نہیں اللہ	یُرِیْدُ :ارادہ کرتا
ظُلْمًا :کسی ظلم کا	لِّلْعٰلَمِیْنَ :تمام جہانوں کے لیے
وَلِلّٰهِ :اور اللہ کا ہی ہے	مَا :وہ (سب) جو
فِی السَّمٰوٰتِ :آسمانوں میں ہے	وَمَا :اور وہ (سب) جو
فِی الْاَرْضِ :زمین میں ہے	وَاِلَی اللّٰهِ :اور اللہ کی طرف ہی
تُرْجَعُ :لوٹائے جائیں گے	الْاُمُوْرُ: تمام کام

نوٹ: چہرے کا سفید یا سیاہ ہونا عربی محاورے ہیں۔ جیسے سرخ رُو ہونا اردو محاورہ ہے۔ اس میں

چہرے کا سرخ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کامیابی کے تأثرات کا چہرے پر نمایاں ہونا۔ اسی طرح عربی میں چہرے کے سفید یا سیاہ ہونے کا مطلب ہے کامیابی کے تأثرات اور ناکامی کے تأسف کا چہرے پر نمایاں ہونا۔

آیات ۱۱۰ '۱۱۱

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝﴾

د ب ر

دَبَرَ (ن) دَبْرًا : کسی چیز کا اپنے اختتام کو پہنچنا' پیچھے تک' آخر تک یا انجام تک پہنچنا۔

دَابِرٌ (اسم الفاعل) : آخر تک پہنچنے والا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ قرآن مجید میں یہ لفظ کسی چیز کی جڑ کے لیے آیا ہے: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ﴾ (الانعام:۴۵) ''تو کاٹی گئی اس قوم کی جڑ جنہوں نے ظلم کیا۔''

دُبُرٌ ج اَدْبَارٌ : کسی چیز کا پچھلا یا آخری حصہ' پیٹھ' آخر۔ ﴿وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ﴾ (یوسف:۲۵) ''اور اس عورت نے پھاڑا اس کی قمیص کو پیچھے سے۔'' ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝﴾ (قٓ) ''اور رات کے اوقات میں تسبیح کر اُس کی اور سجدوں کے آخر میں۔''

اَدْبَرَ (افعال) اِدْبَارًا : کسی طرف پیٹھ کرنا' اعراض کرنا۔ ﴿تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝﴾ (المعارج) ''بلائے گی اس کو جس نے اعراض کیا اور منہ پھیرا۔''

مُدْبِرٌ (اسم الفاعل) : پیٹھ پھیرنے والا' اعراض کرنے والا۔ ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾ (التوبة) ''پھر تم لوگ بھاگے پیٹھ دینے والا ہوتے ہوئے۔''

دَبَّرَ (تفعیل) تَدْبِيْرًا : کسی کو اس کے آخر یا انجام تک پہنچانا' کسی کام کی تدبیر کرنا۔ ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (السجدة:۵) ''وہ انجام تک پہنچاتا ہے تمام کام کو آسمان سے زمین کی طرف۔''

مُدَبِّرٌ (اسم الفاعل) : تدبیر کرنے والا۔ ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝﴾ (النّٰزعٰت) ''پھر کسی کام کی تدبیر کرنے والیاں۔''

تَدَبَّرَ (تفعّل) تَدَبُّرًا : کسی کے آخر یا انجام تک پہنچنے کی کوشش کرنا، غور وفکر کرنا۔ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (النساء: ۸۲) ''تو کیا یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے قرآن میں؟''

ترکیب: ''کُنْتُمْ'' کا اسم اس میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''خَیْرَ اُمَّةٍ'' اس کی خبر ہے، اس لیے ''خَیْرَ'' منصوب ہے۔ ''اُمَّةٍ'' نکرہ مخصوصہ ہے۔ ''اُخْرِجَتْ'' سے ''تُؤْمِنُوْنَ'' تک اس کی خصوصیات ہیں۔ ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' مبتدأ مؤخر ہے، اس کی خبر ''مَوْجُوْدُوْنَ'' محذوف ہے اور ''مِنْهُمُ'' قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''اَکْثَرُهُمُ'' مبتدأ ہے اور ''اَلْفٰسِقُوْنَ'' خبر معرفہ ہے، اس کی ضمیر فاصل ''هُمْ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

کُنْتُمْ : تم لوگ	خَیْرَ اُمَّةٍ : ایک ایسی بہترین اُمت ہو جو
اُخْرِجَتْ : نکالی گئی	لِلنَّاسِ : لوگوں کے لیے
تَاْمُرُوْنَ : تم لوگ تلقین کرتے ہو	بِالْمَعْرُوْفِ : نیکی کی
وَتَنْهَوْنَ : اور منع کرتے ہو	عَنِ الْمُنْكَرِ : برائی سے
وَتُؤْمِنُوْنَ : اور تم لوگ ایمان لاتے ہو	بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَلَوْ : اور اگر	اٰمَنَ : ایمان لاتے
اَهْلُ الْكِتٰبِ : اہل کتاب	لَكَانَ خَیْرًا : تو یقیناً بہتر ہوتا
لَّهُمْ : ان کے لیے	مِنْهُمُ : ان میں سے
الْمُؤْمِنُوْنَ : ایمان لانے والے (بھی) ہیں	وَ : اور (یعنی جبکہ)
اَكْثَرُهُمُ : ان کی اکثریت	الْفٰسِقُوْنَ : نافرمانی کرنے والی (ہی) ہے
لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ : ہرگز نقصان نہیں پہنچا ئیں گے تم لوگوں کو	اِلَّا : مگر
اَذًى : کچھ اذیت	وَاِنْ : اور اگر
یُّقَاتِلُوْكُمْ : وہ لوگ جنگ کریں گے تم سے	یُوَلُّوْكُمُ تو وہ پھیریں گے تمہاری طرف
الْاَدْبَارَ : پیٹھوں کو	ثُمَّ : پھر
لَا یُنْصَرُوْنَ : ان کی مدد نہیں کی جائے گی	

آیات ۱۱۲، ۱۱۳

﴿ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۝

ء ن ی

اَنَی (ض) اِنًی :(۱) کسی چیز کا وقت قریب آنا۔(۲) کسی چیز کا انتہا کو پہنچ جانا۔﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحدید:۱۶) ''کیا وقت نہیں آیا ان کے لیے جو ایمان لائے؟''

اٰنٍ (مؤنث اٰنِيَةٍ):فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔(۱) قریب ہونے والا یعنی قریبی۔(۲) انتہا کو پہنچنے والا یعنی انتہائی۔﴿يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ﴾ (الرحمٰن) ''وہ لوگ طواف کریں گے اس کے اور انتہائی گرم پانی کے مابین۔''

اَنًی ج اٰنَاءٌ: وقت کا کچھ حصہ۔آیت زیر مطالعہ

ترکیب :''لَيْسُوْا'' کا اسم اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''سَوَاءً'' اس کی خبر ہے۔''يَتْلُوْنَ'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے ''اٰيٰتِ اللّٰهِ'' منصوب ہے جبکہ ''اٰنَاءَ الَّيْلِ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔''اَللَّيْل'' کو ایک لام سے لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔

ترجمہ:

ضُرِبَتْ:تھوپی گئی	عَلَيْهِمُ :ان پر
الذِّلَّةُ ذلت	اَيْنَ مَا :جہاں کہیں
ثُقِفُوْٓا :وہ لوگ پائے جائیں	اِلَّا :سوائے اس کے کہ
بِحَبْلٍ :کسی معاہدے سے	مِّنَ اللّٰهِ :اللہ (کی طرف) سے
وَحَبْلٍ :اور کسی معاہدے سے	مِّنَ النَّاسِ :لوگوں (کی طرف) سے
وَبَآءُوْ :اور وہ لوٹے	بِغَضَبٍ :ایک غضب کے ساتھ
مِّنَ اللّٰهِ :اللہ کی طرف سے	وَضُرِبَتْ :اور تھوپی گئی
عَلَيْهِمُ :ان پر	الْمَسْكَنَةُ محتاجی
ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ :اس وجہ سے کہ وہ لوگ
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ:انکار کیا کرتے تھے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ :اللہ کی نشانیوں کا
وَيَقْتُلُوْنَ:اور قتل کرتے تھے	الْاَنْبِيَآءَ:نبیوں کو
بِغَيْرِ حَقٍّ :کسی حق کے بغیر	ذٰلِكَ یہ
بِمَا :اس وجہ سے جو	عَصَوْا :انہوں نے نافرمانی کی

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: اور حد سے تجاوز کرتے تھے	لَيْسُوْا: وہ لوگ نہیں ہیں
سَوَآءً: برابر	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب میں سے
اُمَّةٌ: ایک گروہ ہے جو	قَآئِمَةٌ: قائم ہے (دین پر)
يَّتْلُوْنَ: وہ لوگ پڑھتے ہیں	اٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی آیتوں کو
اٰنَآءَ الَّيْلِ: رات کے وقتوں میں	وَهُمْ: اور وہ لوگ
يَسْجُدُوْنَ: سجدہ کرتے ہیں	

نوٹ: یہ مضمون البقرۃ:۶۱ میں بھی گزر چکا ہے' لیکن وہاں ذلت اور مسکنت تھوپنے میں ہمیشگی کا مفہوم نہیں تھا۔ آیت زیر مطالعہ میں ﴿اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ کے الفاظ سے ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہوا ہے' اس لیے استثناء کا بھی یہیں ذکر کیا گیا ہے۔

معاہدہ بھی عربی لفظ ہے اور اس کے فعل کے مختلف صیغے قرآن مجید میں استعمال بھی ہوئے ہیں۔ لیکن آیت زیر مطالعہ میں لفظ معاہدہ کے بجائے استعارے کے طور پر ''حبل'' کا لفظ لانے سے اس کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اب ان میں ایسی دعائیں بھی شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ جیسے ابلیس نے اُس وقت دعا مانگی تھی جب اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرما رہا تھا کہ تو مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دے (الاعراف:۱۴) اور اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعا قبول کر لی۔ یہ بھی ''بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' کی ایک صورت ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی ایسی سنتیں بھی شامل ہیں جو تبدیل نہیں ہوتیں (الاحزاب:۶۲)۔ جیسے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو اپنے عمل کا بدلہ دنیا میں چاہتا ہے اسے اللہ دنیا میں جتنا مناسب سمجھتا ہے دے دیتا ہے (آل عمران:۱۴۵)۔ یہ بھی ''بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ اسی طرح سے ''بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ'' کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔ جیسے کسی اسلامی حکومت میں جزیہ دے کر امن اور سکون سے رہنا۔ کسی غیر مسلم قوم یا حکومت کا تعاون اور مدد حاصل کر لینا۔ آج کے دور میں اسرائیل کی حکومت اس کی بہت واضح مثال ہے جو امریکہ کی پشت پناہی پر قائم ہے۔

آیت زیر مطالعہ کا مضمون اور اس کا سیاق وسباق بہت واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہاں مسکنت کا مطلب مال و دولت کی محتاجی نہیں ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ذلت وخواری سے بچنے کے لیے دوسروں کے محتاج رہیں گے۔

اس پس منظر میں ذلت وخواری اور دوسروں کی محتاجی میں ہمیشگی کا مفہوم سمجھ لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنو اسرائیل (یہودیوں) کا اصل مقدر تو ذلت وخواری ہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی وقتی طور پر اور جزوی طور پر سانس لینے کا کچھ وقفہ مل جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ وقفہ بھی یہ لوگ اپنے بل بوتے پر کبھی حاصل نہ کر سکے' بلکہ اس کے لیے یہ لوگ ہمیشہ دوسروں کے محتاج رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ان کے عذاب استیصال

تک جاری رہے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کوئی قوم اپنے رسول کا انکار کر دیتی ہے تو پھر اس پر عذابِ استیصال نازل ہوتا ہے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ بنو اسرائیل اپنے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے اس عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ان کا یہ عذاب عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ذریعے آئے گا اور وہی اللہ کے حکم سے ان کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیں گے۔

آیات ۱۱۴ تا ۱۱۶

﴿یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

ترکیب: ''یُؤْمِنُوْنَ'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو گزشتہ آیت میں ''اُمَّةٌ'' کے لیے ہے' کیونکہ یہ اسم جمع ہے۔ ''مَا'' شرطیہ ہے اس لیے ''یَفْعَلُوْا'' مجزوم ہوا ہے۔ ''یُكْفَرُوْا'' ثلاثی مجرد کا مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے۔ ''هُ'' کی ضمیر مفعول ثانی ہے جو ''خَیْرٍ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

یُؤْمِنُوْنَ : وہ لوگ ایمان لاتے ہیں	بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخری دن پر	وَیَاْمُرُوْنَ : اور تلقین کرتے ہیں
بِالْمَعْرُوْفِ : نیکی کی	وَیَنْهَوْنَ : اور منع کرتے ہیں
عَنِ الْمُنْكَرِ : برائی سے	وَیُسَارِعُوْنَ : اور وہ لوگ باہم سبقت کرتے ہیں
فِی الْخَیْرٰتِ : بھلائیوں میں	وَاُولٰٓئِكَ اور وہ لوگ
مِنَ الصّٰلِحِیْنَ : نیکوں میں سے ہیں	وَمَا : اور جو (بھی)
یَفْعَلُوْا : وہ لوگ کریں گے	مِنْ خَیْرٍ : کسی قسم کی کوئی بھلائی
فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ تو ان سے ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی اس کی	وَاللّٰهُ : اور اللہ

عَلِیۡمٌ : جاننے والا ہے — بِالۡمُتَّقِیۡنَ : تقویٰ اختیار کرنے والوں کو

اِنَّ الَّذِیۡنَ : بے شک جنہوں نے — کَفَرُوۡا : کفر کیا

لَنۡ تُغۡنِیَ : ہرگز کام نہ آئیں گے — عَنۡھُمۡ : ان کے

اَمۡوَالُھُمۡ : ان کے مال — وَلَا اَوۡلَادُھُمۡ : اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللّٰہِ : اللہ سے (بچنے میں) — شَیۡئًا : ذرا بھی

وَاُولٰٓئِکَ اور وہ لوگ — اَصۡحٰبُ النَّارِ : آگ والے ہیں

ھُمۡ : وہ لوگ — فِیۡھَا : اس میں ہی

خٰلِدُوۡنَ : ہمیشہ رہنے والے ہیں — :

آیات ۱۱۷،۱۱۸

﴿مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ھٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡھَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ فَاَھۡلَکَتۡہُ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنۡ اَنۡفُسَھُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَۃً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ج قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاھِھِمۡ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُھُمۡ اَکۡبَرُ ط قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝﴾

ص ر ر

صَرَّ (ن) صَرًّا : کسی چیز کو تھیلی میں باندھنا۔

صَرَّ (ض) صَرَرًا : زور سے بولنا۔

صَرَّۃٌ : چیخ، تیز آواز۔ ﴿فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُہٗ فِیۡ صَرَّۃٍ﴾ (الذّٰریٰت:۲۹) ''تو سامنے آئیں ان کی بیوی تیز آواز میں''، یعنی زور سے بولتی ہوئی۔

صِرٌّ : ٹھنڈک، پالا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَصَرَّ (افعال) اِصۡرَارًا : اپنی بات پر جمے رہنا، اَڑنا، اصرار کرنا۔ ﴿وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا﴾ (آل عمران:۱۳۵) ''اور وہ لوگ اَڑتے نہیں اس پر جو انہوں نے کیا۔''

خ ب ل

خَبَلَ (ن) خَبۡلًا : دماغ خراب کرنا، عقل کو بگاڑنا، مَت مار دینا۔

خَبَالٌ : عقلی فساد، ذہنی پراگندگی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ف و ھ

فَاهَ (ن) فَوْهًا :بولنا' بات کرنا۔

فَـوٌ(اسم ذات): منہ' یہ جب مضاف ہوتا ہے تو رفع میں ''فُوْ'' نصب میں ''فَا'' اور جر میں ''فِیْ'' آتا ہے۔ اس کی جمع ''اَفْوَاهٌ'' ہے۔ ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾ (الرعد:١٤) ''اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلانے والے کی مانند' پانی کی طرف تاکہ وہ پہنچے اس کے منہ کو' حالانکہ وہ پہنچنے والا نہیں ہے اس کو۔''

ب غ ض

بَغَضَ (ن) و بَغِضَ (س) بَغَاضَةً :کسی مکروہ چیز سے دل کا متنفر ہونا۔

بَغْضَاءُ (ج) بُغْضٌ :افعل الوان وعیوب کا وزن ہے۔نفرت' کراہیت' آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب:''مَثَلُ'' کا مضاف الیہ ''مَا'' ہے۔''اَصَابَتْ'' کا فاعل ''هِیَ'' کی ضمیر ہے جو ''رِیْحٍ'' کے لیے ہے اور ''حَرْثَ قَوْمٍ'' اس کا مفعول ہے۔''اَهْلَكَتْهُ'' کا فاعل ''هِیَ'' کی ضمیر ہے جو ''رِیْحٍ'' کے لیے ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ''هُ'' ''حَرْثَ'' کے لیے ہے۔''لَا یَاْلُوْنَ'' کا فاعل ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''مِنْ دُوْنِكُمْ'' کے لیے ہے۔اس کا مفعول ''كُمْ'' ہے اور ''خَبَالًا'' تمیز ہے۔ ''وَدُّوْا'' کا مفعول ''مَا'' ہے۔''بَدَتْ'' کا فاعل ''اَلْبَغْضَاءُ'' ہے' اور یہ مؤنث ہے اس لیے فعل مؤنث آیا ہے۔''تُخْفِیْ'' کا فاعل ''صُدُوْرُ'' ہے' اور یہ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل مؤنث آیا ہے۔

ترجمہ:

مَثَلُ مَا :اس کی مثال جو	یُنْفِقُوْنَ :وہ لوگ خرچ کرتے ہیں
فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا: اس دُنیوی زندگی میں	كَمَثَلِ رِیْحٍ : ایک ایسی ہوا کی مثال کی مانند ہے
فِیْهَا :جس میں	صِرٌّ : کچھ پالا ہے
اَصَابَتْ :وہ آن لگی	حَرْثَ قَوْمٍ :ایک ایسی قوم کی کھیتی کو
ظَلَمُوْٓا :جنہوں نے ظلم کیا	اَنْفُسَهُمْ :اپنے آپ پر
فَاَهْلَكَتْهُ: پھر اس نے ہلاک کیا اس کو	وَمَا ظَلَمَهُمُ :اور ظلم نہیں کیا ان پر
اللّٰهُ :اللہ نے	وَلٰكِنْ: اور لیکن (یعنی بلکہ)
اَنْفُسَهُمْ :اپنے آپ پر	یَظْلِمُوْنَ: وہ لوگ (خود ہی) ظلم کرتے ہیں
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ: اے لوگو! جو	اٰمَنُوْا :ایمان لائے

لاَ تَتَّخِذُوْا :تم لوگ مت بناؤ	بِطَانَةً :کوئی دل کا بھیدی
مِّنْ دُوْنِكُمْ :اپنوں کے سوا	لاَ يَاْلُوْنَكُمْ: وہ لوگ کوتاہی نہیں کریں گے تم سے
خَبَالاً :بلحاظ ذہنی خلفشار کے	وَدُّوْا :انہوں نے چاہا
مَا :اس کو جو	عَنِتُّمْ :مشکل میں ڈالے تم کو
قَدْ بَدَتِ :ظاہر ہو چکی ہے	الْبَغْضَآءُ:نفرت
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ :ان کے مونہوں سے	وَمَا :اور وہ جو
تُخْفِيْ :چھپاتے ہیں	صُدُوْرُهُمْ :ان کے سینے
اَكْبَرُ :زیادہ بڑا ہے	قَدْ بَيَّنَّا: ہم نے واضح کر دیا ہے
لَكُمُ:تمہارے لیے	الْاٰيٰتِ: آیتوں کو
اِنْ كُنْتُمْ :اگر تم لوگ	تَعْقِلُوْنَ :عقل سے کام لیتے ہو

نوٹ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں پر ایک (غیر مسلم) شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظے والا ہے' آپؓ اسے اپنا منشی مقرر کر لیں۔ آپؓ نے فرمایا: پھر تو میں غیر مؤمن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعد میں مسلمانوں نے اس اصول کو ترک کر دیا۔ امام قرطبیؒ پانچویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود و نصاریٰ کو رازدار اور امین بنا لیا گیا اور اس ذریعہ سے وہ جاہل اغنیاء و امراء پر مسلط ہو گئے''۔ چنانچہ اسلامی مملکتوں اور خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ مسلمانوں نے اپنے امور کا راز دار و معتمد غیر مسلموں کو بنا لیا تھا (یعنی وہ لوگ حساس عہدوں پر فائز تھے)۔ اس کے برعکس روس اور چین میں کسی ایسے شخص کو جو کمیونزم پر ایمان نہ رکھتا ہو' کسی ذمہ دار عہدہ پر فائز نہیں کیا جاتا۔ (معارف القرآن)

آیات ۱۱۹' ۱۲۰

﴿ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ﴾

ع ض ض

عَضَّ (س) عَضًّا :کسی چیز کو دانت سے چبانا۔آیت زیر مطالعہ۔

ن م ل

نَمَلَ (ن) نَمْلاً :چغلی کھانا۔

نَمْلٌ (اسم جنس) واحد نَمْلَةٌ ج نِمَالٌ: چیونٹی ۔ ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ﴾ (النمل:۱۸) ''کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! تم لوگ داخل ہو اپنے ٹھکانوں میں۔''

اَنْمِلَةٌ ج اَنَامِلُ:انگلی کا سرا۔آیت زیر مطالعہ۔

غ ی ظ

غَاظَ (ض) غَيْظًا :سخت غصہ دلانا' خون کھولا دینا۔ ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح:۲۹) ''تاکہ وہ خون کھولائے ان سے کافروں کا۔''

غَائِظٌ (اسم الفاعل) :غصہ دلانے والا۔ ﴿وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ﴾ (الشعراء) ''اور یقیناً وہ سب ہم لوگوں کا خون کھولانے والے ہیں۔''

غَيْظٌ (اسم ذات) :شدید غصہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَغَيَّظَ (تفعّل) تَغَيُّظًا :سخت غصہ ہونا' غصے سے کھولنا۔ ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾ (الفرقان) ''وہ لوگ سنیں گے اس کو غصے سے کھولتے ہوئے اور چنگھاڑتے ہوئے۔''

ف ر ح

فَرِحَ (س) فَرَحًا: (۱) بہت خوش ہونا۔ (۲) خوشی سے پھٹ پڑنا۔ ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (الروم) ''اور اس دن بہت خوش ہوں گے ایمان لانے والے۔'' ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا﴾ (الروم:۳۶) ''اور جب بھی ہم مزا چکھاتے ہیں لوگوں کو کسی رحمت کا تو وہ لوگ اِتراتے ہیں اس پر۔''

فَرِحٌ (اسم صفت) : بہت خوش ہونے والا' اِترانے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (القصص) ''بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اِترانے والوں کو۔''

ک ی د

كَادَ (ض) كَيْدًا :خفیہ تدبیر کرنا' چالبازی کرنا۔ ﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ (یوسف:۷۶) ''اس طرح ہم نے خفیہ تدبیر کی یوسفؑ کے لیے۔''

كَيْدٌ (اسم ذات) :خفیہ تدبیر' داؤ۔آیت زیر مطالعہ۔

كِدْ (فعل امر) :تو خفیہ تدبیر کر' تو چالبازی کر۔ ﴿فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾

(ھود) ''پس تم لوگ چالبازی کرو مجھ سے پھر تم مہلت نہ دو مجھے۔''

مَکِیْدٌ (اسم الظرف) :خفیہ تدبیر یا چالبازی کی جگہ یعنی اس کا نشانہ۔ ﴿فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھُمُ الْمَکِیْدُوْنَ ﴾ (الطور) ''تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چالبازی کا نشانہ ہیں۔''

ترکیب :''بِالْکِتٰبِ'' پر لام جنس ہے جو تمام آسمانی کتابوں کے لیے ہے۔''کُلِّہٖ'' تاکید کے لیے اس کا بدل آیا ہے' اس لیے ''کُلِّ'' مجرور ہے اور لفظی رعایت سے ضمیر واحد آئی ہے۔''یُفْرَحُوْا'' جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔''لَا یَضُرُّ'' پر لائے نفی ہے۔ البتہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے ''یَضُرُّ'' مجزوم ہے۔ اس کو ادغام کے بغیر ''یَضْرُرْ'' لکھنا بھی درست ہے اور ادغام کر کے ''یَضُرُّ''۔ ''یَضُرَّ'' اور ''یَضُرِّ'' تینوں طرح لکھنا بھی درست ہے۔''کَیْدُھُمْ'' اس کا فاعل ہے اور ''شَیْئًا'' مفعول مطلق ہے۔

ترجمہ:

ھٰٓاَنْتُمْ سنو! تم لوگ	اُولَآءِ : یہ ہو (کہ)
تُحِبُّوْنَھُمْ تم لوگ محبت کرتے ہو ان سے	وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ : اور وہ لوگ محبت نہیں کرتے تم سے
وَ : حالانکہ	تُؤْمِنُوْنَ :تم لوگ ایمان رکھتے ہو
بِالْکِتٰبِ :تمام (آسمانی) کتابوں پر	کُلِّہٖ :ان کے کل پر
وَاِذَا :اور جب بھی	لَقُوْکُمْ :وہ سامنے آتے ہیں تمہارے
قَالُوْٓا :تو کہتے ہیں	اٰمَنَّا :ہم ایمان لائے
وَاِذَا :اور جب کبھی	خَلَوْا :وہ تنہا ہوتے ہیں
عَضُّوْا :تو چباتے ہیں	عَلَیْکُمُ :تم پر
الْاَنَامِلَ :انگلیوں کے سروں کو	مِنَ الْغَیْظِ : شدید غصے سے
قُلْ :کہو	مُوْتُوْا :تم لوگ مرو
بِغَیْظِکُمْ :اپنے غیظ کے سبب سے	اِنَّ اللّٰہَ :یقیناً اللہ
عَلِیْمٌ : جاننے والا ہے	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ :سینوں والی (بات) کو
اِنْ :اور اگر	تَمْسَسْکُمْ :پہنچتی ہے تم کو
حَسَنَۃٌ :کوئی بھلائی	تَسُؤْھُمْ :تو وہ بری لگتی ہے ان کو
وَاِنْ :اور اگر	تُصِبْکُمْ :آن لگتی ہے تم کو
سَیِّئَۃٌ: کوئی برائی	یَّفْرَحُوْا: تو وہ لوگ بہت خوش ہوتے ہیں

(باقی صفحہ 38 پر)

بِهَا :اس سے

تَصْبِرُوْا :تم لوگ ثابت قدم رہو

لَا يَضُرُّكُمْ :تو نقصان نہیں دے گی تم کو

شَيْئًا :ذرا بھی

بِمَا :اس کا جو

مُحِيْطٌ :احاطہ کرنے والا ہے

وَاِنْ :اور اگر

وَتَتَّقُوْا :اور تقویٰ اختیار کرو

كَيْدُهُمْ :ان کی چالبازی

اِنَّ اللّٰهَ :بے شک اللہ

يَعْمَلُوْنَ :یہ لوگ کرتے ہیں

خدارسیدگی کے مقام کا حصول

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((**مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰٓؤُلَآءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ؟**)) قُلْتُ: اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا، فَقَالَ: ((**اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ، وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُّؤْمِنًا، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ**))☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: ''کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ تو آپؐ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا: ''جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو، اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم لوگوں میں بہت بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے۔ دوسری بات آپؐ نے یہ فرمائی کہ: ''اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے سیر چشم اور دولت مند ہو جاؤ گے۔ تیسری بات یہ کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے تو تم مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔ چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کے لیے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ زیادہ مت ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ کر دیتا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے معلم اخلاق تھے۔ آپؐ نے انسانیت کو اچھے اخلاق اپنانے اور بری عادات چھوڑنے کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کے اوّلین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے آپؐ سے دین سیکھا اور بلاکم و کاست اسے بعد والوں تک پہنچایا۔ ایک محفل جس میں دوسرے اصحاب کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپؐ نے چند مفید باتیں بتائیں، لیکن اُن کا آغاز اس طرح کیا کہ کچھ

☆ سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب من اتقی المحارم فهو اعبد الناس۔ و مسند احمد: ۸۰۳٤۔

باتیں ہیں، تم میں سے کون ہے جو وہ مجھ سے سیکھے گا؟ ظاہر ہے گفتگو کا یہ حکیمانہ انداز آپؐ نے اس لیے اختیار کیا تا کہ سب لوگ متوجہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ سیکھنے والا خود اُن پر عمل کرے یا دوسروں کو وہ اخلاقی خوبیاں سکھائے۔ یا کا لفظ بھی یہاں قابل غور ہے کہ سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اچھے اعمال کو اختیار کرے لیکن اگر وہ پورے طور پر اُن پر عمل نہ کر سکے تو دوسروں کو تو تلقین کرے تا کہ وہ ان اچھی باتوں پر عمل کر کے نیکیاں کما سکیں۔ آپؐ کے استفسار پر محفل میں حاضر ہر شخص کی تمنا ہو گی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو لبیک کہے، مگر ابو ہریرہؓ سب سے پہلے بول اٹھے کہ حضور! میں آپؐ سے وہ کلمات سیکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک ایک کر کے پانچ باتیں گنوائیں۔ اندازہ کیجیے راوی کے فضل و شرف کا جس کا ہاتھ محبوبِ خدا نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ وہ ہاتھ ہے جس میں پکڑی ہوئی کنکریوں نے کلمۂ شہادت پکار کر آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی اور اسی ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت ملاحظہ ہو کہ حضور ﷺ کا پرنور اور مقدس چہرہ ہر وقت دیدار کے لیے ان کے درمیان موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ غیر صحابی کسی طور بھی صحابی کے مقام کو نہیں پا سکتا۔

نبی اکرم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر جو پانچ کلمات ارشاد فرمائے ان میں پہلا یہ تھا کہ حرام چیزوں سے دُور رہو، تم لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے، جن چیزوں کو اُس نے حرام قرار دیا ہے اُن میں ضرور برائی کا پہلو ہے۔ جو شخص حرام چیزوں اور حرام کاموں سے بچا رہا وہی متقی ہے اور تقویٰ ہی اخلاقِ مطلوب ہے۔ پس اللہ کی نافرمانیوں سے بچ کر زندگی گزارنا نفلی عبادات سے افضل ہے۔ بلاشبہ ذکر و اذکار اور نوافل بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں مگر ممنوعات سے بچنا بھی آسان کام نہیں۔ جب انسان خوفِ خدا کے تحت گناہ کے کاموں سے بچتا ہے تو وہ مرتبے اور مقام میں عبادت گزاروں پر فوقیت پا لیتا ہے۔

دوسری نصیحت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ اللہ نے جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، اس پر راضی اور مطمئن رہو۔ اگر ایسا کرو گے تو سب سے زیادہ سیر چشم اور غنی ہو جاؤ گے۔ زندگی میں ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وہی فیصلہ ہے، پس اگر وہ شکوہ و شکایت نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ جو حالات مجھ پر وارد ہیں وہ اللہ ہی نے وارد کیے ہیں اور اللہ حکیم و خبیر بھی ہے اور رحمٰن و رحیم بھی ہے، بظاہر یہ حالات کچھ اچھے نظر نہیں آتے مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ ضرور اچھے ہیں۔ اگر یہ جذبہ انسان میں پیدا ہو جائے تو وہ راضی برضا کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ دوسروں کو مال و اولاد، صحت و عافیت، عیش و آرام میں دیکھ کر نہ اُس کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ محرومیوں کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے، اسی کیفیت کا نام غنی النفس ہے۔ ایسا شخص اپنی محرومیوں پر افسوس نہیں کرتا بلکہ میسر نعمتوں پر نظر کر کے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو شخص حیاتِ مستعار میں پریشان نہیں ہوتا اور tension نہیں لیتا واقعی وہ سب سے خوشحال ہے،

اور جو آدمی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا' اللہ کے دیے ہوئے قلیل رزق پر مطمئن ہے اور دوسروں کے مال و دولت کو دیکھ کر اس کا دل نہیں للچاتا' دراصل وہی غنی ہے۔ وہ غنی نہیں ہے جو مال و دولت کی کثرت کے باوجود مزید دولت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے' جسے دن کا آرام اور رات کا سکون میسر نہیں' وہ کتنا بھی دولت مند ہو' غنی نہیں ہے۔

تیسری بات نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمائی کہ پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو مؤمن ہو جاؤ گے۔ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی تلقین کی ہے۔ ہمسائے کے ساتھ ہر وقت کا ملنا ملانا ہوتا ہے۔ ہمسائے کے لیے تکلیف دہ ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمسائے کے ساتھ ہمدردانہ رویہ تو ایمان کی علامت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ)) قِيْلَ : وَمَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((اَلَّذِيْ لَا يَاْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ)) (۱)

''اللہ کی قسم اس شخص کا ایمان نہیں' اللہ کی قسم اس شخص کا ایمان نہیں' اللہ کی قسم اس شخص کا ایمان نہیں''۔ جب پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ کون ایسا شخص ہے؟ تو آپ ؐ نے فرمایا: ''وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خوفزدہ ہوں''۔

گویا ہمسائے کے لیے تکلیف دہ ہونا ایمان کے منافی ہے۔ ہمسائے کی خوشی میں شرکت کرنا اور غم اور مصیبت میں اُسے تسلی دینا' ضرورت کے وقت اس کی اخلاقی اور مالی امداد کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے بعد سب سے بڑا حق پڑوسی ہی کا ہے' اُس کے بعد پھر دوسرے لوگوں کا حق ہے۔ حقیقی ایمان اُسی کو نصیب ہے جس کے ہمسائے اس سے ہر قسم کی تکلیف' پریشانی اور بدسلوکی سے امن میں ہوں۔ وہ گھر سے باہر ہوں تو وہ ان کی عزت و آبرو اور مال و اولاد کی خبر گیری کرتا ہو۔ ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ)) (۲)

''جبریل پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے''۔

---

(۱) صحيح البخاری' كتاب الادب' باب اثم من لا يأمن جاره بوايقه۔ ومسند احمد:۷۸۱۸ و ۸۲۲۷ و ۱۵۹۳۷۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب البر والصلة' باب ما جاء فی حق الجوار۔ وسنن ابی داؤد' كتاب الادب' باب فی حق الجوار۔

چوتھی بات آنحضورﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اگر تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرنے لگو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو تم مسلم ہو جاؤ گے۔ دین اسلام تمام مسلمانوں کو رشتۂ اخوت میں منسلک کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾(الحجرات: ۱۰) ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' یہی بات رسول اللہﷺ نے فرمائی: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ))(۱) ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔'' پس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دوسرے مسلمانوں کا خیر خواہ ہو' ان کا بھلا چاہے' کسی دوسرے مسلمان کے لیے تکلیف اور اذیت کا باعث نہ بنے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اسے کسی طور نقصان نہ پہنچائیں اور نہ اس کی اذیت کا باعث بنیں۔ پس اسے بھی چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہو اور مشکل میں ان کے کام آئے۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہمیشہ سکھ میں رہتا ہے اور اسے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی طرف سے بدخواہی' حسد' بغض اور بدسلوکی کا خوف نہیں ہوتا۔ اس حدیث کی تائید میں ہی رسول اللہﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))(۲)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

گویا وہ شخص تو مسلمان کہلوانے کا حق دار ہی نہیں جس سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف اور اذیت پہنچے۔ پس حقیقی مسلمان بننے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھائی سمجھے اور جن سہولتوں اور آسائشوں کو خود پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے پسند کرے اور جن باتوں اور کاموں سے خود بچنا چاہتا ہے ان سے دوسروں کو بھی بچائے اور اگر کوئی مسلمان بھائی مشکل میں پڑ جائے تو اس کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔

پانچویں بات آپﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ زیادہ مت ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ قہقہے لگانا اور کھلکھلا کر ہنسنا بے خوفی' آزاد خیالی اور جہالت کا مظہر ہے۔ رسول اللہﷺ نے زندگی بھر قہقہہ نہیں لگایا۔ کسی اچھی بات پر آپؐ صرف مسکرا دیتے تھے اور یہی سنت ہے۔ مسلمان تقویٰ شعار ہوتا ہے' ہر وقت اُس کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ کل کو مجھے اپنے کیے کا حساب دینا ہے اور حساب لینے والے سے نہ میری کوئی حرکت پوشیدہ ہے اور نہ منہ سے نکالا ہوا کوئی بول' اور حساب لینے والا علیم و خبیر ہے' مختار اور قادر مطلق ہے۔ نہ وہاں کوئی عذر چلے گا نہ بہانہ' نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار۔ نہ ماں بیٹے کے کام آسکے گی اور نہ بیٹا ماں کو چھڑا سکے گا۔ سب کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ جس شخص کے سامنے قیامت کا یہ نقشہ ہو وہ کیسے کھل کھلا کر

(۱) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم ظلم المسلم وخذله.....

(۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان تفاضل الاسلام وای اموره افضل۔

ہنسے گا؟ ظاہر ہے قہقہے وہی شخص لگائے گا جس کے دل و دماغ میں اُخروی محاسبے کا خوف نہ ہوگا' وہ دنیا کی خوش حالی' دولت کی فراوانی' دوست احباب کی کثرت میں بدمست اور دنیا پرست ہوگا۔ یہی وہ شخص ہے جس کا دل مردہ ہے۔ اللہ کے نیک بندے تو ہر وقت فکرمند رہتے ہیں اور اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی خطائیں معاف کر دے اور قیامت کے دن وہ رسوائی سے بچ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے برزخی زندگی کی کیفیت سے باخبر کیا تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں سن رہا ہوں اس میں سے کچھ تم کو بھی سنا دے' اگلے جہان کی زندگی تو مرنے کے بعد فوراً شروع ہو جائے گی''۔[1] قرآن مجید میں منافقین کو ان کے انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ (التوبۃ: ۸۲) ''پس چاہیے کہ یہ تھوڑا ہنسا کریں اور زیادہ رویا کریں''۔ اللہ کا خوف سب سے بڑی حکمت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی توفیق ملی ہو اور وہ **المستغفرین بالاسحار** میں شامل ہو کر رات کے پچھلے حصے میں خدا کے حضور بہائے گئے آنسوؤں کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو' اسے زیادہ ہنسنے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں بتائی گئی پانچ باتیں اگر کوئی پلے باندھ لے تو اس کو خدا رسیدگی کا مقام حاصل ہو جائے گا اور اس کی زندگی کے دن اطمینان اور سکون سے گزریں گے اور موت کے وقت اُس کے چہرے پر مسکراہٹ نمایاں ہوگی۔ بقولِ اقبال ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!

☆ صحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها' باب عرض مقعد المیت من الجنة او النار.....

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 20 روپے

روحانیت اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی

جاوید اکبر انصاری

فاضل مصنف ماہر معاشیات ہونے کے ساتھ ساتھ ''فلسفہ' اخلاق'' اور ''الٰہیات'' پر بھی خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ مغربی فکر و فلسفہ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تنقیدی نگاہ سے پرکھنے کا انہیں خصوصی ذوق عطا ہوا ہے۔ زیرِ نظر مضمون ان کی کتاب ''تصوف اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی'' سے ماخوذ ہے جس میں احیائے اسلام کا درد رکھنے والے حضرات کے لیے نہایت قیمتی مواد موجود ہے۔ قارئین حکمتِ قرآن کے علمی ذوق کے پیشِ نظر مضمون کی کسی قدر لغوی کتر و بیونت کے علاوہ احادیث و اقوال کی تخریج بھی کی گئی ہے جس سے مضمون کی افادیت میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہے۔ (ادارہ)

تعمیرِ شخصیت میں احساس (Feeling) کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ مغرب کے معاشرتی علوم اور فلسفہ' احساس کی عقلی اور مادی تشریح و تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفسیات نے احساس کے مادی اور عقلی تجزیہ کے لیے متعدد سائنسی طریقے مرتب کیے ہیں۔ مغربی فلسفہ کا مرکزی دھارا احساس سے بالاتر ہو کر حقیقت تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مغربی فلسفہ (وجودیت اور رومانیت مکتبِ فکر کی چند تاویلوں کے علاوہ) احساس کو علم کا ذریعہ تصور کرتا اور اس کے مطابق احساسات اور میلانات عقلی تحقیق اور جستجو کو منفی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ اس لیے مغربی عقلیت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ تمام احساسات اور میلانات سے دامن چھڑا کر ہی انسان حقیقت کا معروضی مطالعہ اور مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس بات کو سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ کانٹ نے پیش کیا۔

اس کے برعکس علوم اسلامی میں احساس کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ احساس کا سرچشمہ قلب ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً' اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ' اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ)) (۱)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فضل من استبرأ لدینه۔ وصحیح مسلم' کتاب المساقاة' باب اخذ الحلال و ترك الشبهات۔

''جان لو کہ جسد انسانی میں خون کا ایک لوتھڑا ہے' وہ اگر درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے' اور اگر وہ فساد کا شکار ہو جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ قلب ہے۔''

یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ اسلامی دعوت بنیادی طور پر قلب کو مخاطب کرتی ہے۔ اسلامی عقلیت قلب کی فوقیت کو تسلیم کرتی ہے۔ قرآن مجید حضور اکرم ﷺ کے قلب پر اُتارا گیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں محفوظ رہا' اور ہمارا حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بنیادی طور پر قلبی تعلق ہے۔ دماغ (Mind) قلب کے تابع ہے۔ اس لیے اہل دل ہی دعوت اسلامی کے فطری امام ہیں۔

احساس' قلبی عقلیت (Reason of the heart) کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ احساس حقیقت کے مکمل' فوری اور بلاواسطہ ادراک کا وسیلہ ہے۔ جس شخص کے احساسات پاک ہوں گے' اس کا حال درست ہو گا' وہ ان ماورائی حقائق تک وجدانی (Intuitive) رسائی حاصل کر سکتا ہے جو یا تو دماغی عقلیت (Reason of the mind) کی دسترس سے کلیتًا باہر ہیں یا ان کے قریب پہنچنے کے لیے دماغی عقلی مباحث نہایت پیچیدہ اور عمیق ہیں اور مکمل تیقن کے ساتھ ان مابعد الطبیعیاتی حقائق کا اثبات کبھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً خدا کے وجود کی کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جس کو دماغی عقلیت کی بنیاد پر رد نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس کے برعکس جس وقت نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے دعوت پیش فرمائی تو انہوں نے اسے یوں قبول کیا گویا وہ اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ زمانہ قبل اسلام میں بھی حضرت والا کی قلبی کیفیت پاکیزہ تھی کہ حقیقت تک پہنچنے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ ہوتی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

''ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو اس کے روزوں اور نمازوں سے تم پر فوقیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے قلب میں ایک ایسی چیز ہے جو تم میں نہیں۔''(۱)

عقلیت قلبی اور عقلیت دماغی میں یہی بنیادی فرق ہے۔ عقلیت دماغی آہستہ آہستہ' قدم بقدم' جزواً جزواً حقیقت کا ادراک کرتی ہے۔ وہ اطلاع اور مشاہدہ کی بنیاد پر بتدریج معلومات کو جمع کرتی ہے اور ان سے منطقی نتائج اخذ کرتی ہے۔ اس کے برعکس احساس کے ذریعے ان بنیادی معروضات کا براہِ راست اور کلی مشاہدہ ممکن ہوتا ہے جو دماغی عقلیت کی رسائی سے پرے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن احساسات کی بنیاد پر اپنی دماغی عقلیت کو استعمال کیا وہ ان کی طہارت قلبی کے غماز ہیں۔ ابوجہل نے جن مفروضات کی بنیاد پر حضور اکرم ﷺ کی دعوت کو مٹانے کے لیے اپنی دماغی عقلیت استعمال کی وہ اس کی قلبی کثافت کے عکاس ہیں۔ زمانہ قبل اسلام میں ابوجہل شرابی' زانی' دروغ گو اور متکبر تھا' جبکہ حضرت صدیق عفیف' پاک باز' صادق اور منکسر المزاج تھے۔ بہت کم صحابہؓ کو وہ حال میسر تھا جو حضرت صدیق

(۱) اصل متن اور اس قول کی اسناد معلوم نہیں ہو سکیں۔ (ادارہ حکمت قرآن)

کو تھا۔ صحابہؓ کے حال بدل گئے' ان کی قلبی کیفیات بدل گئیں' لیکن ابوجہل کا دل نہ بدلا۔ اس کی دماغی عقلیت اس کے کافر دل کے تابع رہی' تا آنکہ وہ جہنم واصل ہو گیا۔

لوگ ایمان دل کے بدلنے کی وجہ سے لاتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ دماغی عقلیت قلبی عقلیت کے تابع اور اس کی ایجنٹ ہے۔ احساسات اور جذبات کے ذریعہ ان حقائق تک مکمل' فوری اور بلاواسطہ رسائی ممکن ہے جو دماغی عقلیت کی دسترس سے باہر ہیں۔ چونکہ ایمان دل کے بدلنے کا متقاضی ہے اس لیے احساسات کو پاک کرنا اور اس کے ذریعے سے لوگوں کے حال کو بدلنا دعوت اسلامی کے لیے اشد ضروری ہے۔ حال کی درستگی کے بغیر دماغی عقلیت کو اسلامی خطوط پر پروان چڑھانا ناممکن ہے۔

ہم نے جان بوجھ کر لفظ احساس کو حال کے قریب قریب ہم معنی لفظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ احساس قلبی اور جسمانی کیفیات کے تعلق کو بیان کرتا ہے۔ قلبی اور جسمانی کیفیات کا تعلق نہایت پیچیدہ اور پہلودار ہے۔ اس تعلق کو سمجھنے کے بعد ہی یہ واضح ہو سکے گا کہ ہم جسمانی کیفیات کو جس طرح سمجھتے ہیں' قلبی کیفیات کو اس طریقہ سے کیوں نہیں سمجھا جا سکتا۔ نیز یہ بات بھی ہم پر واضح ہو گی کہ حال بدلنے کے لیے صرف جسمانی کیفیات اور ظاہری خدوخال کے تغیر پر کیوں اکتفا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ قلب کا حال جسم کے حال سے ایک گونہ تعلق رکھتا ہے۔ جب غضب یا شہوت ہو تو جسمانی کیفیات بھی بدل جاتی ہیں۔ خون کی گردش' سانس کی رفتار' اعضاء کی حرکت میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس قسم کے تعلق کو مغربی نفسیاتی فلسفہ (بالخصوص ولیم جیمز) اپنی مادی تعبیرات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جیمز کا دعویٰ ہے کہ مریض کے جذباتی ہیجان کا واحد سبب کیمیائی اور عضویاتی ناہمواریاں (Physiological imbalances) ہیں۔ موجودہ دور کی عمرانی اور نفسیاتی کرداریت (Behaviourism) بھی اسی بنیادی مفروضے پر کام کرتی ہے۔

لیکن کیا صحت مند دیوانوں کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا یاسیت کی مادی تعبیر ممکن ہے؟..... روسی سائنس دان پچاس سال تک لینن کے دماغ کا مطالعہ کرتے رہے' لیکن اس کی ساخت میں کسی ایسی غیر معمولی خصوصیت کی نشاندہی نہ کر سکے جس کی بنیاد پر لینن کے عظیم انقلابی کارناموں کی کوئی مادی تعبیر پیش کی جا سکتی۔ آج نفسیات کے دونوں مرکزی دھارے یعنی Psycho-analysis اور Rational emotive psycho-therapy احساسات کی عضویاتی تعبیر کے انکاری ہیں۔

قلبی اور جسمانی کیفیات کے باہمی تعلق سے انکار نہیں کیا جا سکتا' لیکن یہ تعلق یک طرفہ نہیں ہے بلکہ قلبی کیفیات کی تشکیل میں جسمانی کیفیات کے علاوہ دیگر ماورائے جسم ذرائع کا بھی اہم کردار ہے۔ رؤیائے صادقہ کا ورود عموماً باوضو اجسام پر ہوتا ہے' لیکن باوضو ہونا رؤیائے صادقہ کے لیے نہ تو ضروری (necessary) ہے اور نہ کافی (sufficient)۔ لہٰذا احساس کو سمجھنے کے لیے بدنی' ماحولیاتی اور دیگر

مادی حالات کا سمجھنا کافی نہیں ہے۔ مادی تغیرات کا مشاہدہ صرف خارج (باہر) سے ممکن ہے' جیسے ایک ڈاکٹر ایک مریض کے جسم کا مطالعہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر جتنا مریض کے احساسات وجذبات سے لاتعلق ہوگا اس کی تشخیص اتنی ہی سائنسی اور معروضی ہوگی۔ لیکن اگر ڈاکٹر مریض کے احساسات اور جذبات کو سمجھنا چاہتا ہے تو خارجی مشاہدہ کافی نہ ہوگا' ڈاکٹر کو مریض سے ہمدردی اور اُنسیت کا ایک ایسا تعلق پیدا کرنا ہوگا جس کے نتیجہ میں وہ مریض کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے قابل ہو جائے۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احساس کو سمجھنے کے لیے تعلقات کا استوار کرنا لازمی ہے۔ جن ہستیوں میں ایسے تعلق قائم ہو جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے وجود میں شرکت اختیار کر لیتی ہیں۔ دماغی عقلیت صرف اجسام کا مشاہدہ اور مطالعہ کر سکتی ہے۔ دماغی عقلیت کے ذریعے کسی غیر کے احساسات کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ احساسات کا ادراک مقصود ہے تو غیر کو اپنانا ہوگا' اس کے وجود میں شریک ہونا پڑے گا۔ اجسام کے تعلقات خارجی اور مادی ہوتے ہیں۔ احساسات کو سمجھنے کے لیے اس خارجی سطح سے اوپر اٹھ کر روحانی تعلقات استوار کرنا ضروری ہیں۔

اس روحانی تعلق کو محبت کہتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سب سے بڑے مزاج شناس آپؐ کے سب سے بڑے عاشق بھی تھے' اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرکت غار اور شرکت لحد کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال کو اپنا مال سمجھتے تھے۔

محبت کرنے والوں کے وجود بلاشبہ جدا ہوتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے وجود میں شرکت اختیار کر کے مشترکہ ہستی کو قائم کرتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میرے جسم کا حصہ ہو۔

وجود میں شرکت ایک دوسرے کے احساسات کے حقیقی ادراک کو ممکن بناتی ہے۔ خارجی مشاہدہ کے ذریعے اشیاء کا مطالعہ کیا جاتا ہے' لیکن احساسات کا حقیقی ادراک خارجی مطالعہ کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ احساسات کو سمجھنے کے لیے وجود میں شرکت ناگزیر ہے۔ اس شرکت کی بنیاد یا محبت ہوتی ہے یا نفرت۔ نفرت کرنے والا شاہد مشہود کے وجود کو تباہ کرتا ہے جبکہ محبت کرنے والا شاہد مشہود کو نمو بخشتا ہے۔

احساسات کے ذریعے حقائق کا داخلی مطالعہ ممکن ہوتا ہے۔ ہم حقائق تک رسائی احساسات کے ذریعے وجود میں شریک ہو کر حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی چیز کو ''اُدْخُلُوْا'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دین اسلام کو محض خارجی طور پر سمجھنا کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے اسلام میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے انسان کے جذبات واحساسات وہ ہونے چاہئیں جو اس کو کائنات کے اساسی حقائق تک مکمل رسائی کے قابل بنا سکیں۔ اگر ایسے احساس نہ ہوئے تو سالہا سال کے مطالعے اور مشاہدے کے باوجود وہ محض اسلام کا مداح بن سکے گا' لیکن اسلام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ یہ کیفیت ان بہت سے

حضرات کی ہے جو تصوف کا جمالیاتی (Aesthetic) مطالعہ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کو تصوف رہبانیت کی حسین قسم نظر آتی ہے جو بہت سی ایسی آلائشوں سے پاک ہے جنہوں نے ہندو، بدھ، عیسائی اور یہودی رہبانی سلسلوں کو آلودہ کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ تصوف کے مداح بن جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صوفیانہ تعلیمات و کردار کا محض خارجی مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو محسوس نہیں کرتے، لہٰذا اس کے ذریعے اسلام میں داخل نہیں ہو پاتے۔

احساس کی پرورش کے لیے تعلقات کا قیام و تسلسل ضروری ہے۔ تصوف سے فیض کسی شیخ کی توجہ اور تصرف فی الذات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب تک پیر و مرید اپنی ذاتی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے وجود میں شریک نہ ہوں وہ احساسات مرتب نہیں ہو سکتے جو تصوف کو دخولِ اسلام کا ذریعہ بنا دیں۔

احساس کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے۔ انسان محسوس جسم کے ذریعے ہی کرتا ہے اور احساس کی بنیاد وہ خواہشات ہی ہوتی ہیں جن کے ذریعے انسان دنیا میں تصرف کرتا ہے۔ لیکن انسان خواہشات کو نفس کے روبرو پیش کر کے ان کو احساسات اور جذبات کی حیثیت دیتا ہے۔ نفس خواہشات کی قدر کو متعین کرتا ہے۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ کن خواہشات کی تکمیل کن ذرائع سے جائز ہے اور کون سی خواہشات اور ذرائع حرام ہیں۔ مثلاً خواہش حصول رزق کے بارے میں نفس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ:

(۱) حصول رزق کی خواہش کی تسکین دوسری خواہشات (مثلاً حصولِ تقربِ الٰہی، حصولِ شہرت) کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق رکھتی ہے؟

(۲) اس خواہش کی دیگر خواہشات کے مقابلے میں کتنی اہمیت ہے؟

(۳) کن حالات میں اس اہمیت میں کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے؟

(۴) حصولِ رزق کی خواہش کے کون سے حلال ذرائع ہیں؟

ظاہر ہے کہ ان سوالات کے جو جوابات ایک مؤمن نفس دے گا وہ ایک کافر یا فاسق نفس کے جوابات سے مختلف ہوں گے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ کافر، فاسق، مؤمن کے نفوس کی حالت اور کیفیت جدا جدا ہوگی اس لیے ان کا حال یا دنیا سے ان کے تعلق کی نوعیت جدا ہوگی۔ مثلاً:

(۱) مؤمن اطمینان کی حالت میں ہوگا۔ وہ اپنے ربّ کے تمام فیصلوں سے راضی ہوگا اور اللہ کی رضا کی جستجو میں ہوگا۔ وہ صابر و شاکر ہوگا۔

(۲) کافر اضطراب کی حالت میں ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو قدرت کے جبر سے مغلوب تصور کرے گا۔ وہ شہوت اور غضب کے ذریعے اس قدرتی نظام میں فساد پھیلا کر اپنی خدائی پھیلانے کی پیہم جستجو کرے گا۔

(۳) فاسق گومگو کی حالت میں ہوگا۔ اس پر کبھی ایمانی جذبات غالب ہوں گے اور کبھی کافرانہ جذبات

غالب ہوں گے۔

اگر کافر یا فاسق کو مؤمن کی توجہ میسر آ جائے اور کوئی مؤمن اس کے ساتھ گہرے تعلقات استوار کرے (اس کی ذات میں تصرف کرے) تو عین ممکن ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے کافر اور فاسق کا حال بدل جائے۔ اسی طرح ان تینوں کے کائنات میں مقام بھی مختلف ہیں۔

(۱) مؤمن کا مقام عبدیت کا ہے۔ اپنے مؤمن بندے کو اللہ تعالیٰ نے خلافت فی الارض سے سرفراز فرمایا ہے۔

(۲) کافر کا مقام سرکش باغی کا ہے۔ وہ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور اسے قائم رکھتا ہے۔

(۳) فاسق ایک گستاخ اور حکم ٹالنے والا ملازم ہے۔ وہ اللہ کو اپنا مالک تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی عبدیت سے انکار نہیں کرتا لیکن مالک کا حکم بجالانے سے جی چراتا ہے اور گاہے گاہے کفر اور اپنے نفس کی بندگی بھی کرتا ہے۔

واضح ہوا کہ انسان احساس کے ذریعے کائنات میں اپنے حال اور مقام کو متعین کرتا ہے۔ حال اور مقام کا یہ تعین احساس کے ذریعے ان مابعد الطبیعیاتی حقائق تک رسائی کا محتاج ہے جن تک دماغی عقلیت تن تنہا کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

کافر اور مؤمن دونوں اپنے زمانی و مکانی حال اور مقام کو احساس کی بنیاد پر متعین کرتے ہیں۔ مغرب کا یہ دعویٰ کہ مابعد الطبیعیاتی حقائق تک دماغی عقلیت کے ذریعے سے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے' ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ مغربی فلسفہ کے پاس ایسی کوئی دلیل اور مغربی سائنس کے پاس ایسا کوئی مشاہدہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر وجہِ تخلیق کائنات اور کائنات میں انسان کے مقام کا تعین کیا جا سکے۔

مغربی تہذیب کا ایک عام باشندہ عقائد کے فساد کا شکار ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک بیشتر عیسائیوں نے ان عقائد کے ایک حصہ کو ردّ کر دیا جو حضرت مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جن کو حضرات حواریوں نے قبول کیا تھا۔ دوسری صدی سے چودھویں صدی تک کی مغربی عیسائیت حضرت مسیحؑ اور یونانی عقائد کا ایک مرکب بن گئی تھی۔ تحریک نشأۃِ ثانیہ (Renaissance) اور تحریک اصلاح مذہب (Reformation) نے تو مسیحی عقائد کو تقریباً ''کلیتاً'' رد کر دیا اور یونانی عقائد اور افکار کی ایک مسیحی تشریح پیش کی۔ انقلاب فرانس کے بعد اس ظاہری' نمائشی عیسائی ملمع کاری کو بھی ترک کر دیا گیا اور ہیوم نے دہریت کے عقائد کی وکالت کی جو فی العمل یورپ کے عوام پر اثر انداز ہوئی۔

یورپی عوام کافر تو ہمیشہ سے تھے لیکن مسیحی تعلیمات کے زیر اثر قرون اولیٰ میں بہیمیت اور دہریت سے قدرے محفوظ رہے۔ ان میں عبدیت کا احساس موجود رہا' گو کہ یہ احساس صرف مذہبی امور تک ہی محدود تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک یہ احساس نہایت مجروح ہو گیا تھا اور ہیوم اور کانٹ کے فلسفوں

نے عبدیت کو بے دخل کر کے بغاوت (یعنی آزادی) کو یورپی عوام کا عمومی عقیدہ اور احساس بنا دیا۔ یوں ایک عام یورپی کا حال اور مقام تبدیل ہو گیا۔ اس کی زندگی میں اضطرار (Frustration or Angst) نے اطمینان کی جگہ لے لی۔ وہ عبدیت کے مقام سے گر کر مذہبی دائرے میں بھی خدا کا باغی بن گیا۔ اس مراجعت کی وجہ یہ تھی کہ ایک عام یورپی کانٹ اور ہیوم کے فلسفوں پر اسی طرح ایمان لے آیا تھا جس طرح ایک عیسائی انجیل پر ایمان رکھتا ہے۔ کانٹ اور ہیوم کے فلسفوں کے مابعد الطبیعیاتی مفروضے بھی ان کے احساسات پر قائم تھے نہ کہ کسی دماغی عقلیت کے فراہم کردہ شواہد اور دلائل پر۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ عقائد کا درست ہونا حال کے درست ہونے اور کائنات میں اپنا صحیح مقام پہچاننے پر منحصر ہے۔ حال درست اس وقت ہوتا ہے جب قلب ایمان باللہ اور اخلاص فی اللہ سے معمور ہو۔ اگر ایمان کمزور اور اخلاص ناپید ہو تو انسان کے احساسات ایسے نہ ہوں گے جو حال کی درستگی اور مقام کی اصلیت تک پہنچنے کے لیے مددگار ہو سکیں۔

موجودہ دور کے مغربی فرد کا المیہ احساس کی کثافت ہے۔ اس کا قلب شہوت اور غضب کے احساسات سے مغلوب ہے' اس پر اضطرار (Anxiety)' یاسیت (Boredom) اور مغلظ نفرت (Nausea) کی کیفیت بالعموم طاری رہتی ہے۔ احساسِ محرومی اور احساسِ تنہائی نے اس کو ابدی طور پر گھیر لیا ہے۔ عیسائی تعلیمات کے مطابق اضطرار انسان کا وہ ابدی ورثہ ہے جو اس نے پہلے گناہ (Original Sin) کی وجہ سے اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے۔ عیسائی مفکرین مثلاً Soren Kierkigard کے بقول آدم جنت میں اپنی تنہائی کی وجہ سے اضطرار میں مبتلا ہوئے اور پہلا گناہ کر بیٹھے۔ لہٰذا تنہائی اور اضطرار کا احساس مقدم اور دائمی ہے۔ ان احساسات سے دنیاوی زندگی میں نجات ناممکن ہے۔

مغربی دہریت بھی احساسِ اضطرار اور احساسِ تنہائی کی ابدیت سے انکار نہیں کرتی۔ دہریت فرد کو خدا بن جانے کی تلقین کرتی ہے۔ خدا بن جانے کا واحد ذریعہ حصولِ آزادی ہے۔ لیکن آزادی کا مطلب ہے تمام تعلقات کی نفی کرنا' خود کفیل ہو جانا۔ واضح ہوا کہ آزادی تنہائی کا دوسرا نام ہے' اور کچھ نہیں۔ چونکہ اضطرار اور یاسیت کی بنیادی وجہ تنہائی ہے اس لیے جیسے جیسے آزادی بڑھے گی انسان کا احساس محرومی' اس کا غضب اور شہوت قلب کو مسخر کرے گا۔

چنانچہ اضطرار مغربی انسان کا اساسی احساس ہے۔ مغرب وجود کی لغویت اور لامعنویت کا قائل ہے۔ وہ وجود کا واحد مقصد آزادی کے حصول کو قرار دیتا ہے اور چونکہ آزادی خود کچھ نہیں بلکہ صرف تعلقات کے عدم وجود کا نام ہے' لہٰذا وجود کچھ حاصل کرنے سے قاصر ہے۔

پھر خود آزادی کا حصول بھی ناممکن ہے۔ آزادی ناممکن الحصول ہونے کی دو وجوہ ہیں:

(۱) کوئی شخص بھی اپنے جینیاتی (Genetic) ورثہ اور اپنے تاریخی وقوع (Historic

(Situation) کو خود متعین نہیں کر سکتا۔ میں ہمایوں اختر انصاری اور طاہرہ خاتون مینائی کا بیٹا ہونے پر مجبور ہوں۔ میں سورج مکھی (Albino) ہونے اور کوتاہ چشم ہونے پر مجبور ہوں۔ میں اپنے کسی ارادے کے بغیر مجبوراً ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو لکھنؤ میں پیدا ہو گیا اور میرے والدین بغیر میرے ارادے اور اجازت کے مجھے پاکستان لے آئے۔ ان تمام مجبوریوں کے پیش نظر میری آزادی کس قدر محدود نظر آتی ہے! نہ میں اپنا زمان و مکان خود متعین کر سکتا ہوں اور نہ اپنی صلاحیتیں خود منتخب کر سکتا ہوں۔

(۲) آزادی کو محدود کرنے والی اصل چیز موت ہے۔ میں عنقریب کسی ارادے کے بغیر مر جاؤں گا' پھر آزادی چہ معنی دارد؟

ان خیالات کو قبول کر کے ہر وہ شخص جو آزادی کی جستجو میں ہے' اپنی زندگی کو لامعنی بنا لیتا ہے۔ مثلاً مشہور جرمن فلسفی مارٹن ہائیڈیگر (Marten Heidegger) کہتا ہے کہ ''انسان اشیاء کو پاتا ہے' اشیاء کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ وہ کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے''۔ اور بقول سارتر (Sartre) کون کس وقت کیوں کہاں پھینکا گیا ہے' یہ ہم نہیں جان سکتے۔ چونکہ انسان کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے اور چونکہ وہ کائنات میں تنہا ہے اور چونکہ اس کے وجود کو ایک دن ختم ہو جانا ہے اور چونکہ وہ واقعیت (Facticity) کی جکڑ بندیوں میں ازلی و ابدی طور پر جکڑا ہوا ہے اور چونکہ واقعیت کی جکڑ بندیاں صرف یہی نہیں ہیں کہ وہ اپنے جینیاتی ورثہ اور تاریخی وقوع کے بارے میں مجبور ہے بلکہ واقعیت اس بات کا بھی احاطہ کرتی ہے کہ وہ نیک ہے یا بد..... جس طرح وہ جینیاتی اور تاریخی وقوع کے اعتبار سے مجبور ہے اسی طرح میلانات کی پاکیزگی یا کثافت کے اعتبار سے بھی مجبور ہے..... لہٰذا نیکی اور بدی کے پیمانے بھی ازلی اور ابدی نہیں ہیں۔ موت وجود کو ختم کر دیتی ہے اور مغربی تصورات خیر و شر انفرادی موت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر موت وجود کو ختم کر دیتی ہے تو خیر و شر کے ایسے دائمی پیمانے جو ذاتی اخلاقیات پر محیط ہوں' پیش نہیں کیے جا سکتے۔ بالخصوص ان حالات میں جب فرد صرف حصولِ آزادی کو مقدم رکھتا ہو ہر وہ انفرادی فعل جائز ہو گا جس کے ذریعے موت کو مؤخر کیا جا سکے یا اس کو بھلایا جا سکے۔

موت کو اگر حیات کا اختتام تسلیم کر لیا جائے تو ہستی کو صرف ذکر کے ذریعے قائم اور مجتمع رکھا جا سکتا ہے۔ ذکر وسیلۂ عرفان اس لیے ہے کہ اللہ کی یاد ہم کو کائنات میں اپنے ابدی مقام (عبدیت) کی مسلسل یاد دلاتی ہے۔

ہستی کو قائم رکھنے کے لیے ذکر ضروری ہے۔ ذکر نیت کو مستحکم اور مصفا رکھنے کا ذریعہ ہے۔ ایمان اور عقیدۂ راسخ اس عمل کی بنیاد ہے جو ہستی کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ ہستی کو قائم رکھنے کے لیے لازم ہے کہ انسان حقیقت سے آشنا ہو اور آزادی' خود مختاری اور خود فریبی کے دوسرے سرابوں سے اپنے آپ کو محفوظ

کرے۔حقیقت عبدیت ہے' آزادی نہیں۔آزادی حقیقت کی نفی ہے' محض سراب ہے۔آزادی کا طلب گار اضطرار سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔وہ خدا سے بغاوت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کا احساسِ جرم ہمیشہ قائم رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لادین فلاسفہ (مثلاً ہائیڈیگر اور سارتر وغیرہ) تک نے اضطرار کو انسان کے دائمی حال سے تعبیر کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فلاسفہ حصولِ آزادی کو واحد جائز انسانی خواہش تسلیم کرتے ہیں۔

اضطرار کی بنیاد گناہ سے آگاہی ہے۔گناہ سے چھٹکارا اُس وقت ممکن ہے جب انسان عبدیت کی نیت کرے۔اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے' اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے' اس کو اضطرار سے نجات دلا دیتا ہے' اس کو مطمئن دل کی دولت سے نوازتا ہے۔اللہ اپنے بندوں کے قلوب کو آلائشوں سے پاک کر دیتا ہے اور ان کے قلوب کو ایسا مصفا آئینہ بنا دیتا ہے جس میں انوارِ الٰہی منعکس ہو سکیں۔حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ' وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ))(۱)

''میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں' نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندۂ مؤمن کے قلب میں سما جاتا ہوں۔''

اشتراکی' لبرل اور قوم پرست آزادی کے طلبگار ہیں۔وہ اللہ کے باغی ہیں۔اشتراکیوں کا خیال ہے کہ طبقاتی کشمکش کے ذریعے تاریخ کے آخری سرے پر ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے جہاں ہر خواہش کی تسکین ممکن ہوگی۔اس معاشرہ میں اخلاقیات کی بحث لایعنی ہے' کیونکہ مکمل آزادی ہے اور کسی فعل پر قدغن کا تصور نہیں ہوگا۔انسان ہر اس چیز کی خواہش کر سکتا ہے اور ہر اس خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے جس کی وہ خواہش کرنا چاہتا ہے۔یہ سوال کہ انسان کو کس چیز کی خواہش کرنا چاہیے' اشتراکی' لبرل یا قوم پرست نقطۂ نظر سے ایک ناقابل تفہیم سوال ہے۔چونکہ ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ کے مطابق حصولِ آزادی واحد مقصد حیات ہے اور چونکہ وہ انسان کو خدائی صفات کا مکلّف گردانتے ہیں' لہٰذا ان کے نزدیک ہر شخص کو مساوی حق ہے کہ وہ جو چاہتا ہے چاہے۔چونکہ خواہشات لامحدود ہیں لہٰذا لبرل' قوم پرست یا اشتراکی مثالی معاشرہ (Ideal Society) کا کوئی واضح تصور ممکن نہیں ہے۔بقول نطشے وہ محض لامعنویت کی ابدیت ہے۔

---

(۱) صوفیاء کے ہاں یہ حدیث قدسی بہت مشہور ہے لیکن محدثین نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے۔اسے امام ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاویٰ (۳۸٤/۲) میں اور ملا علی قاریؒ نے الاسرار المرفوعہ میں نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے: لا اصل له او باصله موضوع۔امام البانیؒ نے اسے سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح ۵۱۰۳) میں نقل کر کے لکھا ہے: لا اصل له ۔(ادارہ حکمت قرآن)

قوم پرست فکر میں لامعنوی ابدیت کے حصول کے لیے ایک فوق البشر شخصیت (Super Man) یا فوق البشر قومیت کی تعمیر ضروری ہے۔ ایک ایسی شخصیت یا قوم کا وجود جس کے پاس تمام کائناتی قوت مجتمع ہو اور جو خود خیر و شر کی تخلیق کرے۔

لبرل اس مقصد کے حصول کے لیے ذرائع پیداوار میں اضافے کو ہدف قرار دے کر سرمایہ داری اور جمہوری معاشرہ اور ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مقصود یہاں بھی یہی ہے کہ ہر فرد جو چاہے کر سکے۔

اشتراکی، قوم پرست اور لبرل نظریات کسی ابدی اخلاقیات کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ ان کا مقصد حصولِ آزادی ہے، اور چونکہ آزادی کچھ نہیں ہے صرف عبدیت اور دیگر تعلقات کی نفی ہے لہٰذا قدر کا اثبات کرنے سے قاصر ہے۔

لبرل اور اشتراکی قوم پرستانہ اخلاقیات کی بنیاد صرف انسانی خواہشات ہیں۔ نفس لوامہ خواہشات کو صرف احکامِ الٰہی کی بنیاد پر پرکھ سکتا ہے اور اگر احکامِ الٰہی سے انکار کر کے انسان خدا بن بیٹھے تو روح اور نفس کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور نفس امارہ، نفس لوامہ پر غالب آ جاتا ہے۔ کانٹ اور ہائیڈیگر دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ مثلاً ہائیڈیگر کہتا ہے:

''نفس لوامہ کی گفتگو (Dicourse) صرف خاموشی ہے۔''

وہ نفس جس کے احکام کی بنیاد خواہشات ہوں قدر کی پہچان اور علم و عرفان کے حصول سے قاصر ہے۔ قدر کا تعین صرف احکامِ الٰہی کی بنیاد پر ممکن ہے۔ امام غزالی کا ارشاد ہے کہ علم خشیت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی خشیت کو پروان چڑھا کر مؤمن اپنے حال پر مطمئن اور اپنی حقیقت اور اپنے مقام سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہی آگاہی اس کو بندگیٔ رب کے لیے تیار کرتی ہے۔ گویا:

((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّـهُ))(۱)

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔''

اپنے نفس کی حقیقت کی آگاہی انسان کو عبدیت پر راضی کرتی ہے۔ اللہ کا بندہ ایسے حال میں ہوتا ہے جس میں وہ اپنے حقیقی مقام سے آگاہ ہو سکے۔ سائنس کے ذریعے وجود کی حیثیت اور اس کے کائناتی مقام کے بارے میں علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ عقلیت دماغی وجود کی نوعیت اور مقاصد حیات کی نشاندہی نہیں کر سکتی۔ ان امور کا عرفان عقلیت قلبی ہی کے ذریعے ممکن ہے، اور ذکر اللہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے حقیقت کی آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) صوفیاء کے ہاں یہ قول حدیث نبویؐ کے طور پر مشہور ہے، تاہم ائمہ حدیث مثلاً امام نووی، صغانی، ابن تیمیہ، ابن قیم، سیوطی، ملا علی قاری، زرقانی اور البانی رحمہم اللہ سب نے اس کے حدیث ہونے کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے: باطل لا اصل له۔ (ادارہ حکمت قرآن)

حقیقت کا شناسا محبت کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ محبت مؤمن کی کیفیت اور اس کا اصل حال ہے۔ وہ محبت سے مغلوب ہوتا ہے جبکہ کافر و فاسق غضب اور شہوت سے مغلوب ہوتے ہیں۔ کافر صرف اپنے وجود (ذات) سے محبت کرسکتا ہے، وہ ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ہستی کی بقاء اس بات پر منحصر ہے کہ وہ تمام تعلقات استوار کیے جائیں جو انسان کے حقیقی مقام کا تعین کرتے ہیں۔ ہستی کے بقاء کا وسیلہ محبت ہے..... پروردگار سے محبت جو کہ عبدیت ہے۔ بندوں سے محبت جو کہ رفاقت ہے۔ کائنات سے محبت جو کہ خلافت ہے۔

کافر پروردگار کی ربوبیت کا انکار کر کے خود پروردگار بننا چاہتا ہے اور اس جستجو میں دوسرے انسانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی باطل ربوبیت کی تلاش میں وہ کائنات کو مسخر کرتا ہے۔ کافر عبادت، رفاقت اور خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس کا قلب شہوت اور غضب کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ اس کا مقام ایک سرکش باغی کا مقام ہے۔ کافر کی معاشرت اغراض کی معاشرت ہے۔ اغراض کی اس جستجو کو اس نے حقوق .....قومی حقوق، انسانی حقوق وغیرہ .....کا نام دیا ہے۔ اس کی سیاست حقوق کی سیاست ہوتی ہے، جس کا مقصد انسان کی ربوبیت یعنی جمہوریت کا قیام واستحکام ہوتا ہے۔

مؤمن حقوق کی سیاست کی نفی کرتا ہے۔ اس کی معاشرتی کاوش کا اصل سرچشمہ ادائیگی فرائض کی جستجو اور محبت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اس کی خلافت، عبدیت اور رفاقت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اس کا حال محبت اور اس کا مقام عبدیت ہے، وہ اپنے رب سے راضی ہے اور اس کا ربّ اس سے راضی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً﴾ (الفجر)

''اے نفس مطمئن! چل اپنے ربّ کی طرف، تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔''

❁❁❁

بقیہ : ترجمۂ قرآن مجید

بِهَا :اس سے	وَاِنْ :اور اگر
تَصْبِرُوْا :تم لوگ ثابت قدم رہو	وَتَتَّقُوْا : اور تقویٰ اختیار کرو
لَا یَضُرُّكُمْ :تو نقصان نہیں دے گی تم کو	كَیْدُهُمْ :ان کی چالبازی
شَیْئًا :ذرا بھی	اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
بِمَا :اس کا جو	یَعْمَلُوْنَ :یہ لوگ کرتے ہیں
مُحِیْطٌ :احاطہ کرنے والا ہے	

❁❁❁

ایمانیات اور دین حق کا ثبوت
عقلی وفطری دلائل کی روشنی میں

مدثر رشید

کلمۂ طیبہ ہمارے دین کی بنیاد ہے اور کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اس کلمے کا اقرار نہ کر لے۔ پھر زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد دل کی گہرائیوں سے اس پر یقین کیے بغیر اُخروی کامیابی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہماری دُنیوی و اُخروی نجات کا دارو مدار اسی ایک کلمے پر ہے۔ یہ ہمارے دلوں میں جتنا گہرا راسخ ہوگا اتنا ہی ہمارا عمل دین اسلام کے مطابق ہوگا اور اتنا ہی زیادہ ہم اللہ کی رضا کے سزاوار ٹھہریں گے۔ لیکن اس کلمے کے بارے میں مسلم علماء کا یہ عام تصور ہے کہ اس کو دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی علوم میں علم الکلام میں اس پر کچھ بحثیں تو ہوئی ہیں لیکن ان تمام بحثوں میں زیادہ تر 'خدا کے وجود' (Existence of God) کو ثابت کرنے کے دلائل دیے گئے ہیں اور 'خدا کی شناخت' (Identity of God) کے بارے میں کم از کم میرے قلیل علم میں کوئی قابل قدر بحث موجود نہیں ہے۔ اس لیے آج کے دور میں خدا کے وجود اور شناخت کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں بدقسمتی سے مسلمان بھی ان شبہات سے محفوظ نہیں ہیں' اور خاص طور پر آج کے جدید سائنسی دور میں ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اس بارے میں بہت سے اشکالات اپنے ذہنوں میں رکھتا ہے۔ چنانچہ اس مقالے کا مقصد سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے وجود اور پھر اس کی شناخت کو عقلی' منطقی اور فطری دلائل کے ذریعے ثابت کرنا ہے۔ اس کے بعد دین اسلام میں باقی ایمانیات' بشمول حضرت محمد ﷺ کا خاتم النبیین ہونا' کو ثابت کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا دوسرا مقصد بنی نوعِ انسان کو درپیش ایک بہت بڑے مسئلے کا حل تلاش کرنا ہے' اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے کسی اجتماعی نظام کا محتاج ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کون سا نظام منتخب کیا جائے؟ اس وقت دنیا میں جو نظام پائے جاتے ہیں ہم ان کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱) وہ جو انسانی عقل و شعور اور فکری ارتقاء کے نتیجے میں دنیا کو حاصل ہوئے' مثلاً جمہوریت' سوشلزم وغیرہ۔

۲) وہ نظام جن کے بارے میں دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں۔

جہاں تک انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں کا تعلق ہے' تو ان کے ذریعے سے تو کبھی بھی دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا' اس لیے کہ ہر انسان یا انسانی معاشرے کی ایک اَنا ہوتی ہے جو یہ پسند نہیں کرتی کہ کوئی اس پر اس کی مرضی کے خلاف حکم چلائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی بھی فریقین نے ایسا کرنے کی کوشش کی ہے دنیا میں شر و فساد اور خون خرابہ ہی ہوا ہے۔ جبکہ دوسری طرف وہ نظام ہیں جن کے بارے میں دعویٰ ہے کہ وہ خدا کے عطا کردہ ہیں' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے کون سا نظام اپنے دعویٰ میں سچا ہے؟ اس مقالہ سے (ان شاءاللہ) صحیح خدائی نظام کی نشاندہی بھی ہو جائے گی جس کے قیام سے دنیا امن و انصاف کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

چونکہ یہ بحث ایمانیات سے متعلق ہے' اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ایمان کا معنی سمجھ لیا جائے۔ ایمان 'امن' سے بنا ہے جس کے معنی سلامتی کے ہیں۔ لیکن جب ایمان کے بعد حرفِ جر 'بِ' آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں مان لینا۔ قرآن میں یہ لفظ اسی حرف کے ساتھ کئی مقامات پر آیا ہے' مثلاً:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کر لو' بلکہ حقیقتاً نیکی تو یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر' آخرت پر' فرشتوں پر' کتابوں پر اور نبیوں (علیہم السلام) پر''۔

سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ایمان کے لغوی مفہوم کے ساتھ ساتھ ایمان کی اصطلاحی تعریف بھی پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کی رو سے ایمان پانچ اَن دیکھے حقائق کو مان لینے کا نام ہے جن میں سب سے پہلے اللہ ہے اور پھر آخرت' فرشتے' آسمانی کتابیں اور انبیاء ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے ایمان کا چھٹا جز و ایمان بالقدر بھی ثابت ہے۔ ان اَن دیکھے حقائق میں بھی سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت 'اللہ' ہے۔ اگر اس کے وجود اور شناخت کو جان لیا جائے تو باقی ایمانیات خود بخود ثابت ہو جائیں گی۔ ایمانیات میں ایمان باللہ کی کس قدر اہمیت ہے' اس کا اندازہ درج ذیل نصوص سے لگایا جا سکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''واقعی جن لوگوں نے کہا ہمارا ربّ اللہ ہے پھر اس پر جم گئے' اترتے ہیں ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے کہ نہ تم خوف کھاؤ اور نہ غم کرو' اور اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

اسی طرح ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس کے بعد عمل کی راہ ہموار ہو جائے اور مَیں راہِ ہدایت پر گامزن رہوں' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قُلْ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ))(۱)

''کہو میرا پروردگار اللہ ہے' پھر اس پر جم جاؤ''۔

اس لیے یہ ضروری ہے کے سب سے پہلے ایمان باللہ کے بارے میں ثبوت پیش کیے جائیں۔ایک بات تو طے شدہ ہے کہ انسان اللہ کی ذات کا حواسِ خمسہ سے یعنی دیکھ' سن' سونگھ' چھوکر یا ذائقہ سے ادراک نہیں کر سکتا۔اور آج کل کے سائنسی دور میں یہ بات بہت عام ہے کہ ایسی کوئی بھی چیز' جسے ہم اپنے حواس سے نہ جان سکیں' اس کی کوئی حقیقت یا وجود نہیں ہوتا۔اسی نظریے کی بنا پر آج کل کے مغربی مفکر خدا کا انکار کرتے ہیں۔لیکن یہ سراسر ایک غلط نظریہ ہے۔ہمارے گرد و پیش میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم حواس سے نہیں جان سکتے مگر اس کے باوجود ہم نہ صرف ان کے وجود کے قائل ہیں بلکہ ان کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ ان کی آسان مثال آپ کے موبائل فون پر وصول ہونے والے سگنل کی ہے۔اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا آپ کے موبائل پر سگنل آ رہا ہے؟ تو آپ فوراً اپنے موبائل کی سکرین پر دیکھیں گے اور اس سوال کا جواب کسی شک وشبہ کے بغیر دے دیں گے' لیکن یہ سوال کہ کیا آپ نے اس سگنل کو دیکھا' سنا' سونگھا' چکھا یا چھوا ہے؟ کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔اس کے باوجود آپ نے اس کے وجود کی بلا شک وشبہ تصدیق کی۔ اسی طرح کی مثال بجلی کی ہے کہ آپ حواسِ خمسہ سے ادراک کیے بغیر بلب کے جلنے یا بجھنے سے بجلی کے وجود اور عدم وجود کی تصدیق کرتے ہیں۔اسی طرح بلیک ہول (Black Hole) اور اینٹی مَیٹر (Anti-matter) کی مثالیں ہیں جنہیں براہِ راست نہیں دیکھا جا سکتا مگر آج تمام سائنس دان ان کے وجود کو بلا کسی شک و شبہ کے تسلیم کرتے ہیں' کیونکہ ان کے دوسرے اجسام پر ثقلی اثرات (Gravitational Effects) ان کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ایٹم' الیکٹران' پروٹان یا توانائی (Energy) کو کس نے دیکھا ہے؟ لیکن سب ان کے وجود کو مانتے ہیں۔یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ تو اللہ تعالیٰ کا بھی ہے کہ اگرچہ ہم اس کے وجود کو حواسِ خمسہ سے براہِ راست نہیں جان سکتے مگر اس کے اثرات کا مشاہدہ شب و روز کرتے ہیں' اور یہی وہ اثرات ہیں جن کی طرف اللہ نے توجہ دلائی ہے۔انہیں 'آیات' کہا جاتا ہے۔قرآن میں ایسی تین قسم کی آیات ہیں:

(۱) آیاتِ آفاقیہ (Signs of Creations)

یہ آیات اس کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار (بے جان یا جان دار) مخلوقات پر مشتمل ہیں اور ان مخلوقات کا عدم سے وجود میں آنا ہی اللہ کے وجود کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ان آیات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۝ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَا

(۱) سنن الترمذی' کتاب الزھد عن رسول اللّٰہ ﷺ' باب ما جاء فی حفظ اللسان۔

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (الجاثیۃ)

''اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے' یقین رکھنے والی قوم کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آسمان سے رزق (بارش کی صورت میں) نازل فرماتا ہے' پس اس (بارش) سے زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے' اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں' نشانیاں ہیں''۔

سورۃ الواقعہ میں ارشاد ہوا:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝﴾

''بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو۔ اُسے تم ہی اُگاتے ہو یا (اس کے) اُگانے والے ہم ہیں؟''

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں ذرا ہم غور کریں تو یقیناً ہم اپنے اردگرد پھیلی ہوئی ایسی بے شمار چیزوں سے واقف ہیں جو وجود میں آنے کے لیے کسی نہ کسی خالق کی محتاج ہیں۔ بتائیے کون اَن دیکھا خالق ہے جو زمین کی گہرائیوں میں بیج سے درخت یا پودے اُگا رہا ہے اور جاندار ماداؤں کے پیٹ میں نطفے سے طرح طرح کے جاندار بشمول انسان تخلیق کر رہا ہے۔ وہی یقیناً خدائے یکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ (الطور)

''کیا وہ کسی چیز کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود (اپنے) خالق ہیں؟''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں جو کسی خدا کے وجود کے منکر ہیں' کہ یہ لوگ ذرا غور کریں کیا وہ بغیر کسی چیز کے وجود میں آ گئے ہیں؟ انسانی عقل اس چیز کا انکار کرتی ہے کہ انسان بغیر کسی مادے کے وجود میں آ گیا ہو۔ اور انسان کسی بھی چیز سے بنا ہے تو اُس چیز کا بھی تو کوئی خالق ہوگا! یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔ انسان اس بات کو بھی مانتا ہے کہ وہ خود اپنا خالق نہیں ہے' تو ثابت ہوا کہ انسان کے علاوہ کوئی اور اس کا خالق ہے' اور وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

اگر غور کیا جائے کہ نباتات و جمادات کی تخلیق سے متعلق جتنے بھی مغربی نظریات ہیں' جن میں چارلس ڈارون کا نظریۂ ارتقاء سرفہرست ہے' تو یہ پتا چلے گا کہ یہ محض نظریات ہی ہیں جن کو آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ یہ خود ہی بعض مخلوقات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض چیزوں کا خالق تو ہو اور بعض بغیر کسی خالق وجود میں آ جائیں؟ اس حقیقت کا بھی مشاہدہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی انسان کرسی یا میز کو اگانا چاہے یا نباتات و جمادات میں سے کسی کو تخلیق کرنا چاہے تو یہ بھی اس کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح انسان اپنی پیدائش کے علاوہ اپنی موت کا بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کب آئے گی؟ انسان کی یہ بے بسی بذاتِ خود خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے' جس کو اللہ

تعالیٰ نے سورۃ الواقعۃ میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

''پس کیوں نہیں' جب جان ہنسلی (گردن کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اُس وقت (آنکھوں سے) اس (مرنے والے) کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم اس (مرنے والے شخص) سے تمہاری نسبت بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس کیوں نہیں' تم اگر کسی کے ماتحت نہیں ہو تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو اگر تم (اپنے قول میں) سچے ہو؟''

ب) آیاتِ ایام (Signs of the Ruins of Lost Civilizations)

دوسری قسم کی آیات جن کا قرآن میں کثرت سے ذکر ملتا ہے' اس دنیا سے نیست و نابود ہونے والی تہذیبوں کے کھنڈرات ہیں جن کو اُن کے جرائم کی پاداش میں اللہ نے شدید ترین عذاب کا مزہ چکھایا۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ یوں توجہ دلاتے ہیں:

﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝﴾ (الحج)

''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا جبکہ وہ ظالم تھیں؟ پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہیں' اور بہت سے (آباد) کنویں بے کار پڑے ہیں اور بہت سے (پختہ اور بلند) محل ویران پڑے ہیں۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی؟ جو اُن کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے' یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ پس اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں''۔

اس جیسی متعدد آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔

اگر ہم ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر کسی قوم پر کسی دشمن کا حملہ ہو جائے یا وہ کسی بڑی قدرتی آفت کا شکار ہو جائے تو اس کے نتیجے میں پوری کی پوری قوم تباہ نہیں ہوتی یا پوری کی پوری تہذیب صفحۂ ہستی سے نہیں مٹ جاتی بلکہ ایک خاص حصہ یا خاص تعداد اس مصیبت سے دوچار ہوتی ہے۔ مگر مندرجہ بالا آیات بتا رہی ہیں کہ پوری کی پوری تہذیبیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور اب صرف ان کے کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ کھنڈرات اس پر شاہد ہیں کہ کوئی طاقت ہے جس نے ان بستیوں کو کسی جرم کی پاداش میں پکڑ لیا تھا اور ایسی تباہی ان پر مسلط کی تھی کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ یہی قوی اور قادرِ مطلق ہستی ہی تو خدائے باری تعالیٰ ہے۔

ج) آیاتِ معجزات (Signs of Miracles)

یہ وہ آیات ہیں جو کسی قوم کے پاس جب آ جاتی تھیں تو اُن کے پاس شک کی گنجائش ختم ہو جاتی تھی۔ یہ وہ معجزات تھے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں علیہم السلام کے ذریعے قوموں کو دکھاتا تھا جس کے ذریعے وہ رسول اپنی قوم کو کھلا چیلنج کرتے تھے۔ اب ذرا سوچیے کہ اگر ایسا معجزہ کھلے چیلنج کے ساتھ سامنے آ جائے اور کوئی اس چیلنج کو پورا نہ کر سکے تو واقعتاً حق واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ انسانی کام ہے تو پھر کیوں نہیں اس چیلنج کا جواب لے آتا؟ اور اگر کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو ربّ ٹھہراتا ہے تو اُس کا وہ ربّ اس چیلنج کا جواب کیوں نہیں دے دیتا؟ چنانچہ سابقہ اَدوار میں معجزے اور اس پر کھلا چیلنج آ جانے کے بعد حق واضح ہو جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے سامنے معجزات پیش کیے تو اُس نے چوٹی کے جادوگر حضرت موسیٰؑ کے مقابلے پر جمع کر لیے۔ پہلے ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں جو سانپ بن گئیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو اس کے بعد کا منظر سورۃ الاعراف میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ۚ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ۚ فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۚ فَغُلِبُوۡا ہُنَالِکَ وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِیۡنَ ۚ وَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴾

''اور ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دیجیے' سو (عصا کا ڈالنا تھا کہ) اچانک اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کر دیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب اکارت جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر مغلوب ہو گئے اور خوب ذلیل ہو کر رہے۔ اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔ وہ (جادوگر) کہنے لگے ہم ایمان لے آئے ربّ العالمین پر''۔

اوپر کی آیات میں لفظ ''فَوَقَعَ الۡحَقُّ'' یعنی ''حق واضح ہو گیا'' توجہ طلب ہے۔ یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون پر عصائے موسیٰ اور جادوگروں کے ایمان کے ذریعے حق واضح کر دیا تھا' لیکن انہوں نے پھر بھی تسلیم نہ کیا جس پر انہیں غرق کر دیا گیا۔ حق واضح ہو جانے کے باوجود آلِ فرعون کا اس کو جھٹلانا اللہ کے ہاں کس قدر ناپسندیدہ فعل تھا' اس کا اندازہ درج ذیل آیات سے ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ۚ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کُلِّہَا فَاَخَذۡنٰہُمۡ اَخۡذَ عَزِیۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ۚ﴾ (القمر)

''اور آلِ فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں ایک غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا''۔

اب ذرا سوچیے کہ آیاتِ معجزات کے آنے سے پہلے تو صرف یہ ثابت ہوا تھا کہ کوئی خالق ہے جو تمام مخلوقات یعنی نباتات و جمادات تخلیق کر رہا ہے یا کوئی طاقت ور ہستی ہے جس نے ان قوموں اور تہذیبوں کو

کسی جرم کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔ لیکن ابھی یہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ وہ ہے کون؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ وہ ایک ہی ہے یا کئی ہیں؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ جاننا ممکن نہیں تھا کہ کس کے خدا کو صحیح مانا جائے' مسلمانوں کے ''اللہ'' کو' عیسائیوں کے ''اقانیم ثلاثہ'' کو' یہودیوں کے ''یہواہ'' کو یا ہندوؤں کے ''بھگوان'' کو؟ غرضیکہ خدا کا وجود تو ثابت تھا مگر اس کی شناخت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس معجزے اور اس پر کھلے چیلنج کے آجانے کے بعد حق واضح ہو گیا اور خالق کائنات کی شناخت بھی ہو گئی۔

سورۃ البقرۃ میں تو اللہ تعالیٰ نے حق واضح کرنے کے اس طریقے کو اپنی سنت کے طور پر بیان کیا ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

''دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے' تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں' تاکہ وہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ کر دیں۔ اور صرف انہی لوگوں نے اس (کتاب) میں اختلاف کیا جن کو وہ کتاب دی گئی تھی' اپنے پاس دلائل (معجزات) آجانے کے بعد' آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے۔ پس اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہنمائی فرمائی۔ اور اللہ جس کی چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرماتا ہے''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہمارے اوپر بھی حق واضح ہے یا نہیں؟ اور کیا ہمارے پاس بھی یہ تینوں قسم کی آیات موجود ہیں یا نہیں؟ آیاتِ آفاقیہ تو سابقہ اُمتوں کی طرح ہمارے سامنے بھی اسی طرح موجود ہیں۔ اور خاص طور پر سائنس و ٹیکنالوجی میں اس قدر ترقی کے بعد یہ پہلو جس طرح ہم پر واضح ہے پہلے کسی اُمت پر نہیں تھا۔ آیاتِ ایام بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اور اب تو ہمیں ان کو جا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے' ہم ٹی وی یا کمپیوٹر پر ان کھنڈرات کی زیارت گھر بیٹھے کر سکتے ہیں۔ اور پھر قومِ عاد' قومِ ثمود' قومِ شعیب' قومِ فرعون وغیرہ کے کھنڈرات کے علاوہ اب تک ایسے اور بہت سے کھنڈرات دریافت ہو چکے ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ خود ہماری سرزمین پاکستان میں ٹیکسلا' ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آیت معجزہ اور اس پر کھلا چیلنج بھی ہمارے پاس موجود ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہے ہاں' اور وہ ہے ''قرآن مجید'' جس پر کھلا چیلنج اللہ کی طرف سے یہ ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴾ (البقرۃ)

''اور اگر تمہیں اس پر کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے تو پھر لے آؤ اس جیسی ایک سورت اور بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور (سن لو کہ) تم ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے' تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن ہوں گے انسان اور پتھر' جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے''۔

یہ چیلنج جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' سورۃ الکوثر' سورۃ العصر اور سورۃ النصر جیسی چھوٹی سورتوں پر بھی تھا جو صرف تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بھی خاص طور پر سورۃ الکوثر تو صرف دس الفاظ پر مشتمل ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ چیلنج ان لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا جو فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ خاص طور پر شعر و شاعری میں تو ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاں سالانہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے اور بہترین شاعر کو جمیع شعراء سجدہ کرتے تھے' لیکن وہ قوم بھی قرآن کی نظیر نہ لا سکی۔ یہ چیلنج آج ۱۴۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح قائم و دائم ہے اور اللہ ربّ العزت کے یہ الفاظ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ اسی طرح کائنات کی وسعتوں میں گونج رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اور وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنی نشانیاں دکھائے گا آفاقِ عالم میں بھی اور خود ہمارے اپنے نفوس میں بھی' یہاں تک کہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہی حق ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ (حٰمٓ السجدۃ/فصّلت)

''عنقریب ہم انہیں نشانیاں آفاقِ عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود اُن کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ یہی حق ہے۔ کیا آپ کے ربّ کا ہر چیز پر گواہ (واقف اور آگاہ) ہونا کافی نہیں؟''

تو یہ وعدہ بھی اب اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا ہے۔ جدید دور میں اس کا ظہور سب سے پہلے ۱۹۷۶ء میں ہوا جب ایک فرنچ ڈاکٹر موریس بکائے نے ایک کتاب "The Bible, The Qur'an and Science" لکھی۔ اس میں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں اس کائنات کے بارے میں سائنسی معلومات (scientific informations) دی گئی ہیں' لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک بھی آیت ایسی نہیں جو جدید دریافت شدہ سائنسی حقائق سے ٹکراتی ہو۔ چنانچہ اس نے اعتراف کیا کہ یہ ربّ العالمین اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اس کا بیان مندرجہ ذیل ہے:

"The above observation makes the hypothesis advanced by those who see Muhammad as the author of the Qur'an

untenable. How could a man, from being illiterate, become the most important author, in terms of literary merits, in the whole of Arabic literature?How could he then pronounce truths of a scientific nature that no other human-being could possibly have developed at that time, and all this without once making the slightest error in his pronouncement on the subject?" [Dr. Maurice Bucaille (Author of "The Bible, The Qur'an and Science") , French Academy of Medicine , 1976]

''درج بالا بحث اُن لوگوں کے مفروضے کو جو محمد (ﷺ) کو قرآن کا مصنف گردانتے ہیں' غلط ثابت کرتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص اور اِس پر مستزاد ایک اَن پڑھ شخص پورے عربی ادب کا ادبی معیارات کے مطابق سب سے اہم مصنف بن جائے؟ اور پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اُن سائنسی حقائق کا انکشاف کرے جسے کوئی بھی انسان اُس دَور میں دریافت نہ کرسکتا تھا اور وہ یہ سب اس مقالے میں کسی غلطی کے بغیر کرے؟''

پھر اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۹۴ء میں پروفیسر کیتھ ایل مور' جو کینیڈین ایسوسی ایشن آف اناٹومسٹ کے صدر بھی رہ چکے تھے' نے اپنی ریسرچ کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کرلیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس نے اس حقیقت کا اظہار ایک کانفرنس میں اس طرح کیا:

"It has been a great pleasure for me to help clarify statements in the Qur'an about human development. It is clear to me that these statements must have come to Muhammad from God, or Allah, because most of this knowledge was not discovered until many centuries later. This proves to me that Muhammad must have been a messenger of God, or Allah." [Prof. Keith L. Moore (Former President of the Canadian Association of Anatomists, Author of "The Developing Human"), Muslim World League, Makkah al-Mukarrammah, 1995]

''یہ میرے لیے بڑی خوشی کا مقام رہا ہے کہ میں قرآن میں درج (رحمِ مادر میں) ارتقاءِ انسانی کے متعلق بیانات کی وضاحت کروں۔ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ بیانات محمد (ﷺ) تک لامحالہ خدا یا اللہ ہی کی طرف سے آئے تھے' کیونکہ اس علم کا بیشتر حصہ بہت صدیوں بعد جا کر منکشف ہوا ہے۔ میرے نزدیک یہ بات ثابت کرتی ہے کہ محمد (ﷺ) لامحالہ خدا یا اللہ کے پیغمبر ہی تھے''۔

سبحان اللہ! یعنی اب حقیقت اتنی واضح ہوگئی ہے کہ غیر مسلم نے بھی اس کا اعتراف کرلیا ہے۔ گویا ان حقائق یعنی معجزے اور اس پر کھلے چیلنج اور قرآن میں سائنسی حقائق دریافت ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی

''لا الٰہ الاّ اللہ'' کا اعتراف نہیں کرتا تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ ایسا کرنا ہی نہیں چاہتا۔ سابقہ اُمتوں کی طرح کھلے چیلنج کے ساتھ معجزہ پیش کر دینے کے بعد اَب ہمارے پاس بھی جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں رہا' اور اس کے آجانے کے بعد بھی قرآن کا انکار کرنے والوں پر اللہ کی حیرت مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے:

﴿تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ﴾

(الجاثیۃ)

''(اب) یہ ہیں اللہ کی آیات جنہیں ہم آپ کو راستی سے سنا رہے ہیں' پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے آجانے کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

پھر قرآن کا انکار کرنے والوں پر اللہ کا حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ مندرجہ ذیل آیات سے محسوس کیا جا سکتا ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ۝ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ۝ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْھِنُوْنَ ۝﴾ (الواقعۃ)

''پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے (کی جگہ) کی۔ اور' اگر تمہیں علم ہوتا' تو یہ بہت بڑی قسم ہے (جو ہم نے کھائی ہے)' کہ بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں (درج) ہے۔ جسے ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک صاف (فرشتے)۔ یہ ربّ العالمین کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ تو کیا تم ایسی بات کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو؟''

جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا کہ ایمانیات میں سب سے اہم تو ایمان باللہ ہی ہے اور اس کے ثابت ہو جانے کے بعد باقی ایمانیات خود بخود ثابت ہو جائیں گی' تو جان لیجیے کہ باقی ایمانیات کے لیے مندرجہ ذیل آیات ہی کافی ہیں:

﴿وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ﴾

(البقرۃ:۱۷۷)

''بلکہ حقیقتاً نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' اور آخرت کے دن پر' اور فرشتوں پر' اور کتابوں پر اور نبیوں پر''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ■﴾ (الاحزاب)

''(لوگو!) محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں' لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں پر مہر ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے''۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''(اے مسلمانو!) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے' اور اس پر بھی جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب (علیہم السلام) اور (ابراہیمؑ کی) اولاد (یعنی دوسرے انبیاء علیہم السلام) پر نازل ہوا' اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو اُن کے ربّ کی طرف سے۔ ہم اُن میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' اور ہم اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں''۔

چنانچہ مندرجہ بالا آیات سے سب سے پہلے تو کلمے کے دوسرے حصہ یعنی ''محمدؐ رسول اللہ'' پر ایمان ثابت ہو گیا اور پھر سب ایمانیات یعنی آخرت' ملائکہ' سابقہ رُسل علیہم السلام اور اُن پر نازل ہونے والی کتابیں ثابت ہو گئیں۔ گویا قرآن ہی وہ چیز ہے جو پہاڑ کی طرح ہماری ایمانیات کو تھامے ہوئے ہے جس کو ہلانا ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں کوئی اور چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شناخت کو بھی ثابت کر دے۔ اب آپ کو اللہ کی اس عظیم نعمت کا احساس ہو گیا ہو گا کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش دین حق پر کی جس کو دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ باقی جمیع ادیان خواہ یہودیت ہو' عیسائیت ہو یا ہندومت' اپنے کسی عقیدہ و عمل کو ثابت نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک چیلنج کے انداز میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَـهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المؤمنون)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں' تو اس کا حساب تو اُس کے ربّ کے پاس ہی ہے (وہ اس کا حساب چکا دے گا)' بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں''۔

یہاں ذرا توجہ فرمائیے کہ رسولوں علیہم السلام کو دیے گئے معجزات کے علاوہ اُن کی صداقت و امانت اور حسن کردار بھی حجت ہوا کرتے تھے۔ لیکن سابقہ تمام اُمتوں میں یہ بھی اُمت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اعزاز ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات کو براہِ راست آپ ﷺ کی ذات سے لے کر ائمہ مصنفین تک راویوں کے حالات سمیت محفوظ کر لیا گیا ہے' اور اس ذخیرہ کی انسانی وسائل کی بنیاد پر سو فیصد تحقیق کر لی گئی ہے۔ اس لیے اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آیت معجزہ یعنی قرآن دینے کے ساتھ ساتھ اس نے نبی پاک ﷺ کے صادق اور امین کردار اور ان کے بے شمار معجزات کو قیامت تک آنے

والے مسلمانوں کے سامنے من وعن پیش کرنے کا بھی بندوبست کر دیا ہے' جو بذاتِ خود دین اسلام میں ایمانیات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

د) دین حق کی شناخت

خدا کی شناخت کے ساتھ اجتماعی نظامِ حق کی شناخت کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا' انسانوں کے مابین باہمی اختلاف کو صرف اسی طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ انسانی آزادی کا خاص خیال رکھا جائے' یا دوسرے لفظوں میں اس امر کو لازمی بنایا جائے کہ کوئی کسی پر حکم نہ چلائے۔ یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہے کہ سچّے خدا کے وجود اور اس کی اصل شناخت ہو جانے کے بعد اس کے پسند کیے ہوئے دینِ حق کو پوری دنیا پر نافذ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس طرح کسی بھی انسان کو اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کا حکم ماننے کی ضرورت نہیں رہے گی اور سب مل کر اب معبودِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ اجتماعی نظام کے اس خلا کو اسلام نے پُر کر دیا ہے۔ کلمۂ طیبہ کا یہ ثبوت اُن تمام اعتراضات کو بھی رفع کر سکتا ہے جو اسلام کے معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام کے خلاف اہل مغرب اور بد قسمتی سے ہمارا ''روشن خیال'' طبقہ اٹھاتا ہے۔ اسلامی نظام کا مقصد اس کے زیر اثر رہنے والے انسانوں کو دوزخ سے بچانا ہے' جو وہ گناہِ کبیرہ کر کے اپنے اوپر واجب کر لیتے ہیں۔

اسلامی اجتماعی نظام کے جن اصولوں پر عام طور پر تنقید ہوتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اسلام کا معاشرتی نظام

۱۔ مخلوط معاشرت پر پابندی اور عورت کے لیے کم سے کم ستر اور زیادہ سے زیادہ سارے بدن بشمول چہرے کا پردہ۔ [النور:۳۱' الاحزاب:۳۳' ۵۳' ۵۹]

۲۔ شراب پر پابندی۔ [المائدۃ:۹۰' ۹۱]

اسلام کا معاشی نظام

۱۔ تمام چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں اور انسان ان کو صرف امانت کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ [آلِ عمران:۱۸۰' المنٰفقون:۷' الحدید:۷]

۲۔ سود اور جوئے پر پابندی۔ [البقرۃ:۲۷۵' ۲۷۹' المائدۃ:۹۰' ۹۱]۔

اسلام کا سیاسی نظام

۱۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور انسانوں کے لیے صرف خلافت ہے۔ [یوسف:۴۰' بنی اسراءیل:۱۱۱' الاحقاف:۲۶]

۲۔ ملک کا کوئی بھی قانون قرآن وسنّتِ محمدی ﷺ کے منافی نہیں ہو سکتا۔ [النساء:۵۹' الحجرات:۱]

اوپر دیے گئے اصولوں سے یہ بآسانی اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام کا مقصد انسانوں کو گناہِ کبیرہ کرنے سے روکنا ہے تاکہ وہ ان کا ارتکاب کر کے دوزخ کے حق دار نہ بن جائیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اسلامی نظام ایک سخت نظام کی بجائے اللہ کی نعمت کے طور پر سامنے آئے گا جس میں انسانوں کو سیاسی نظام میں جاگیرداری، ظلم، انارکی، اور معاشی نظام میں بغض، حسد، تکبّر، بخل، دنیا پرستی، اور معاشرتی نظام میں بے حیائی اور زنا سے بچانے کا مکمل انتظام کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کا کوئی بھی نظام اسلام سے بہتر نہیں ہے، کیونکہ ان تمام نظاموں میں بس انسان کی دنیاوی فلاح و بہبود اور دنیاوی تکالیف سے بچاؤ کی تدابیر تو موجود ہیں مگر اُخروی فلاح اور ہمیشہ کی تکلیف سے بچاؤ کے لیے کوئی تدبیر نہیں کی گئی۔

ان تمام حقائق کو جاننے کے بعد اب آیئے آخر میں ان دو اصطلاحات کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں جن کا آج کل بڑا چرچا ہے۔ ان میں ایک تو ہے جمہوریت (Democracy)، جس کا زبان زدِ عام ہونا کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور اب تو خاص طور پر ہماری دینی جماعتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر اس کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ دوسری اصطلاح ہے روشن خیالی (Enlightenment)، جس کو خصوصاً پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں بڑی ترویج ملی ہے۔ تو یہ جان لیجیے کہ جمہوریت کا سیدھا سا مطلب ہے عوام کی حاکمیت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے: (Government of the people, for the people, by the people) —— جمہوریت کے اس تصور میں ایک حصہ تو بالکل واضح طور پر اسلامی نظریے کے خلاف ہے، اور وہ ہے جمہور کی حاکمیت۔ اس پوری کائنات پر حاکمیت کا حق اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے اسے اور اس میں موجود تمام مخلوق کو تخلیق کیا ہے، اور کسی غیر اللہ کا، چاہے وہ بادشاہ ہو یا عوام، حاکمیت کا دعویٰ کرنا سراسر شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔ رہی بات تصوّرِ جمہوریت کے باقی حصے کی کہ ''حکومت عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے''، جس کا مطلب الیکشن کے ذریعے حکمران کا چننا ہے، تو اس کو باطل قرار دینا مناسب نہیں۔ کوئی اسلامی ریاست اس طریقے سے اپنا حکمران چننا چاہے تو ایسا کر سکتی ہے، اور قرآن کی سورۃ الشوریٰ، آیت ۳۸ میں ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ کے الفاظ میں اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ مستحب نہیں تو کم از کم مباح ضرور ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ چونکہ اسلامی ریاست کا حکمران صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے کوئی غیر مسلم نہیں، اس لیے خلیفہ کے انتخاب کے معاملے میں صرف مسلم عوام کو ہی ووٹ کا حق حاصل ہوگا۔ بہرحال یہ بات تو طے شدہ ہے کہ یہ طریقہ کسی نظام کو چلانے اور بہتر ہاتھ فراہم کرنے کا ذریعہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس طریقے سے اسلامی نظام قائم کرنا یا کوئی بھی نظام بدلنا ممکن نہیں۔ چنانچہ جمہوریت کا یہ تصور کہ اللہ کی حکومت مسلمانوں کے ذریعے: (Government of Allah, by the Muslims) ہی قابل قبول ہے، اور باقی تمام تصورات باطل ہیں۔

روشن خیالی کے لفظ کی حقیقت جس کو بے دھڑک استعمال کیا جا رہا ہے‘ اکثریت کو معلوم نہیں ہے۔ اصل میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک نظریاتی اور فکری انقلاب آیا جس کو اُس وقت کے مفکرین نے رَوشن خیالی کا دَور (Age of Enlightenment) قرار دیا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ پانچویں صدی عیسوی میں یورپ میں اُس وقت کے مذہبی پیشواؤں نے قوم کی اخلاقی اقدار کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ایسے تمام علوم کو حرام قرار دے دیا تھا جو انسان کو سوچنے پر اُکساتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ دلائل جن کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن پر حق واضح کیا تھا‘ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب تاریخ میں دفن ہو گئے تو اُن کو خطرہ لاحق ہوا کہ ان دلائل کی غیر موجودگی میں سائنس اور فلسفے جیسے مضامین پڑھ کر کہیں لوگ گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس کے نتیجے میں اہل یورپ کی سوچ پر تالے پڑنے کی وجہ سے ان کا ذہنی ارتقاء جو کہ کسی بھی قوم یا تہذیب کی ترقی اور خوش حالی کے لیے لازم ہوتا ہے‘ منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس لیے بعد میں مغربی مفکرین نے اُس دَور کو ظلمت کا دَور (Dark Ages) کا نام دیا۔ ویسے تو یہ دَور گیارہویں صدی عیسوی تک رہا لیکن کسی نہ کسی انداز میں اس کے اثرات سترہویں صدی عیسوی تک برقرار رہے۔ چنانچہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں کچھ یورپی مفکرین نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ان کی زبوں حالی کی اصل وجہ اسی ذہنی ارتقاء کا منجمد ہو جانا تھا۔ چونکہ اس کی اصل وجہ مذہب تھا چنانچہ ایک طرف تو اُن میں مذہبی عصبیت پیدا ہوئی اور انہوں نے اس حقیقت پر زور دیا کہ اندھے ایمان کو ردّ کر دیا جائے اور صرف اسی کو حقیقت جانا جائے جسے دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہو‘ اور دوسری طرف انہوں نے اس دَور کو ’’روشن خیالی کا دَور‘‘ قرار دیا‘ یعنی ان کے بقول اس سے پہلے ان کے خیالات تاریک تھے اور اب وہ روشن ہو گئے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر یورپی مؤرخین اپنی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک طویل دَور کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا آغاز ۱۱۷۰ء میں ہوا اور جو پندرہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے‘ جس دَوران حقیقتاً نا صرف یورپ میں بلکہ پوری دنیا میں جدید علوم وفنون کا احیاء ہوا۔ یہ تھا اسلام کا درخشاں دَور اور اصل معنوں میں روشن خیال دَور‘ جس نے یورپ کو قرونِ مظلمہ سے نکال کر روشن خیالی سے روشناس کروایا‘ اور جس کا آغاز دنیا میں ۶۱۰ء میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود کیا تھا۔ وہ کون تھا جس نے بغیر تحقیق کے اپنے آباء واَجداد کی پیروی کرنے سے بنی نوعِ انسان کو روکا اور انہیں اپنی عقل استعمال کرنے کی دعوت دی؟ اس مقالے کے مطالعہ کے بعد آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اللہ ربّ العزت ہی تھے جنہوں نے انسانوں کو توہمات اور خام خیالی سے نکال کر نورِ ہدایت اور روشن خیالی سے روشناس کرایا اور دلائل کے ذریعے اپنے دین اسلام کی حقیقت کو اُن پر واضح کر دیا۔ اس لیے اہل مغرب جس دَور کو روشن خیالی کا دَور کہتے ہیں ہم اُس کو نیم ظلمت کا دَور (semi dark age) کہیں گے‘ کیونکہ اس دَور میں انہوں نے ذہنی ارتقاء کی بلندیوں کو تو چھو لیا لیکن اس صلاحیت کو استعمال کرتے ہوئے معرفت الٰہی حاصل کرنے سے تا حال قاصر ہیں۔ بقول اقبال:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

لیکن افسوس کہ آج مسلمان جو کہ لا الٰہ الاّ اللہ کے وارث بنائے گئے تھے، چہ جائیکہ ان بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کرتے، آج خود ہی ان کی اندھی تقلید میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ جاننے کے بعد اب ہمارے اوپر ''شہادت علی الناس'' کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دعوت وتبلیغ کے مراحل سے گزر کر بالآخر دنیا میں دین کو قائم کر کے لوگوں پر اتمامِ حجت کر دیں۔

شہادت علی النّاس (دعوت وتبلیغِ دین، اقامتِ دین)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح تمہیں ہم نے ایک درمیانی اُمت بنایا تاکہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر اور رسول (ﷺ) گواہ ہو جائیں تم پر''۔

﴿وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝﴾ (الحج)

''اور (اے ایمان والو!) اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں چن لیا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، اپنے باپ ابراہیمؑ کا دین قائم رکھو، اسی (اللہ) نے تمہارا نام ''مسلمان'' رکھا تھا، اس سے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے ساتھ مضبوطی سے جڑ جاؤ۔ وہی تمہارا مولیٰ اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا ہے مالک اور کتنا ہی بہتر ہے مددگار!''

(۱) دعوت وتبلیغِ دین

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدۃ:۶۷)

''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ بھی آپ کے ربّ کی جانب سے آپؐ کی طرف نازل کیا گیا ہے''۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (حٰمٓ السجدة)

''اور اُس شخص سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو اور کہتا ہو کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں؟''

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ (النحل)

''پکارو اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور بہترین نصیحت کے ساتھ اور اُن سے مجادلہ کرو بہترین طریقے سے۔ یقیناً آپ کا ربّ اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور راہ یافتہ لوگوں سے بھی پوری طرح واقف ہے''۔

ب) اقامتِ دین

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (المائدة)

''(اے نبیﷺ صاف صاف) کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور اُس (دوسری وحی) کو قائم نہ کرو جو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور لازماً یہ فرمان جو تم پر (اے نبیؐ) نازل کیا گیا ہے' ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ پس انکار کرنے والوں (کے حال) پر کچھ افسوس نہ کرو''۔

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ (الشوریٰ)

(اے ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی بذریعہ وحی) آپ کی طرف بھیجا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا' کہ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔ جس چیز کی طرف آپ ان (مشرکوں) کو بلا رہے ہیں وہ تو ان پر گراں گزرتی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے (اپنا برگزیدہ بنا لیتا ہے) اور اس کو اپنی طرف راہ

سمجھاتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرے''۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:۲۵)

''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں''۔

محرک جذبہ (عشقِ الٰہی)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (المائدۃ)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جس سے وہ محبت کرے گا اور وہ اُس سے محبت کریں گے، وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر (اور) سخت اور تیز تر ہوں گے کفار پر، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا (اور) زبردست علم والا ہے''۔

کسی سے محبت بنیادی طور پر تین صورتوں میں ہوسکتی ہے:

(۱) کسی ہستی کے ساتھ رحمی یا خونی رشتے کی بنیاد پر، مثلاً بھائی، بہن، ماں، باپ، اولاد وغیرہ۔

(۲) کسی کے اپنے اوپر بے پناہ احسانات کے احساس کی بنیاد پر۔

(۳) اس بات کے احساس کی بنیاد پر کہ کوئی مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے (اور یہ وہ احساس ہے جس سے کسی سے انتہائی درجے کی محبت ہوجاتی ہے)

اب ذرا سوچئے کہ اس لحاظ سے جس ہستی سے انسان کو اِس دنیا میں سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے وہ ہے ''ماں''۔ اور غور کرنے سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ ماں کے ساتھ محبت کے اس تعلق میں یہ تینوں عنصر موجود ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ ماں کے ذریعے سے ہماری پیدائش ہوئی، دوسری بات یہ کہ اس کے ہم پر بے پناہ احسانات ہوتے ہیں کہ بچپن سے لے کر اب تک اس نے ہمیں پالا پوسا، ہمارا ہر ہر طریقے سے خیال رکھا، چاہے اسے خود کبھی بھوکا رہنا پڑا ہو وہ کبھی بھی یہ گوارا نہیں کرتی کہ ہم بھوکے سو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر تیسری بات یہ کہ اس کو ہم سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی ماں ایسی ہو جس کی توجہ کا مرکز بچپن سے لے کر موت تک اس کی اولاد نہ ہو۔ ماں کے ساتھ اس تعلق کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے استوار کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل آیت سے لگایا جاسکتا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (لقمٰن)

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو برسوں میں (یعنی اسے دو برس تک اپنا دودھ پلایا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر۔ (اور تم سب نے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔

اب اگر ایک شخص بالغ ہو جائے اور پھر اُس کے سامنے کوئی اس کی ماں کو گالی دے یا کوئی اس کی ماں کی عزت کے خلاف سازش کرے تو پھر اس کا ردِّعمل کیا ہوگا؟ اگر وہ غیرت مند ہے اور طاقت بھی رکھتا ہے تو کیا اسے ایک تھپڑ نہیں رسید کرے گا؟ البتہ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہوگا تو زبان سے تو اسے چپ کرانے کی کوشش کرے گا' اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہوگا تو کم از کم اس کے وجود میں تو ایک آگ لگ جائے گی۔ اب ہم سب کو اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا حق ماں سے زیادہ نہیں ہے؟ ہمیں اس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے:

(۱) ہماری پیدائش تو ماں ہی کے ذریعے سے ہوئی ہے مگر ماں کے پیٹ میں تو ہمیں اللہ ہی نے تخلیق کیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ قرآن میں یوں بیان کرتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ﴾ (الانفطار)

''اے انسان! تجھے اپنے ربِّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟ جس (ربّ) نے تجھے پیدا کیا' پھر تیری نوک پلک سنواری اور پھر درست اور برابر کیا۔ (پھر) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا''۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ہم پر بے پناہ احسانات ہیں کہ جن کو اگر انسان شمار کرنا چاہے تو ہرگز نہ کر سکے۔ ان میں ایک تو وہ ہیں جو عمومی ہیں' جو سب کے لیے یکساں ہیں' مثلاً اس کا آسمان سے ہمارے لیے پانی برسا دینا اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر کے ہمارے لیے اس میں پاک روزیاں اُگا دینا وغیرہ۔ ان سب کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور دوسری وہ عنایات ہیں جو ہر آدمی کے لیے خاص ہیں جس کو صرف وہ اور اُس کا خدا جانتا ہے۔ ذرا اپنی زندگی پر نگاہ ڈالیے تو آپ کو ایسے بے شمار واقعات مل جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتنی خصوصی عنایات کیں۔

۞۞۞

اہل السنّت والجماعۃ کون؟

حافظ نذیر احمد ہاشمی

اَھل کا معنی ومفہوم

ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتا ہے:

اَلاَھْلُ . اھل الرجل وَاَھْلُ الدار(۱)

''کسی شخص کے متعلقین یا گھر والے''۔

فیروز آبادی نے لکھا ہے:

اھل الرجل: عشیرته وذووا قرباه. والجمع أھلون وأھال وآھال وأھلاتٌ(۲)

''اھل الرجل کا معنی اس کا کنبہ اور رشتہ دار ہیں اس کی جمع أھلون، أھال، آھال اور أھلات آتی ہیں۔''

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں اھل کے مادے سے ohel کے معنی خیمہ کے ہیں، یعنی وہ لوگ جو کسی کے ساتھ ایک خیمہ میں رہتے ہوں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر ''اھل بیت الرجل'' کا لفظ بولا جانے لگا اور عرف میں ''اھل البیت'' کا لفظ آنحضرت ﷺ کے خاندان پر بولا جانے لگا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ.....﴾(الاحزاب:۳۳)(۳)

جب اہل کسی شہر یا ملک کے لوگوں کے متعلق مستعمل ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس شہر یا ملک کے باشندے۔ مثلاً اہل مدین، اہل یثرب اور اہل القریٰ وغیرہ۔

اس لفظ سے دوسرے تصورات بھی وابستہ ہیں اور اس قسم کی ترکیبوں میں اس کا استعمال قدرے غیر معین معنی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ''کسی چیز میں حصہ دار'' یا ''اس سے منسوب'' یا ''اس شے کا مالک'' وغیرہ۔ بعض مرکبات میں (جو بہت کثرت سے استعمال ہوتے ہیں) اہل، جزو ترکیبی ہے، مثلاً **اھل الامر** وغیرہ۔ **اھل المذھب من یدین به واھل الامر وُلاته واھل البیت سُکّانه واھل الاسلام من یدین به**(٤)

دین میں اشتراک کے لیے یہی لفظ ''اہل'' قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے سلسلے میں کہا گیا: ﴿اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِکَ﴾(ھود:٤٦) یہاں اہل میں سے نہ ہونے کی وجہ دین اور طریق میں عدم اشتراک ہے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا حقیقی معنوں میں تب اہل ہوتا اگر وہ دین اور طریق میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتا۔

بقول صاحب لسان العرب اہل کے معنی سزاوار اور شایانِ شان کے بھی ہوتے ہیں۔

هو اهل لكذا اى مستوجب له[٥]

آیت قرآنی ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھۡلِھَا﴾(النساء:٥٨) میں اہل سے مراد امانت والے بھی، اور سزاوار اور مستحق لوگ بھی ہیں۔ اہلیت سے مراد صلاحیت اور قابلیت بھی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ امانتیں اور اختیارات ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے قابل ہوں، نا اہل لوگوں کے سپرد مت کرو۔

اہل القرآن کا معنی: **هم اهل الله وخاصته اى حفظة القرآن العاملون به**[٦]

''اہل قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ والے ہیں اور قرآن سے اختصاص رکھتے یعنی قرآن مجید کے محافظ اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔''

دوسرا لفظ سنت ہے، جس کا لغوی مفہوم راستہ، عادت، رسم اور شریعت ہے، اور اصطلاحی مفہوم وہ باتیں جن کے کرنے کا حکم آنحضرت ﷺ نے قولاً، فعلاً یا تقریراً دیا یا ان سے منع فرمایا ہو۔

سنت میں خلفاءِ راشدین کی سنت بھی شامل ہے، جیسا کہ سنن ابی داوٗد کی روایت ہے:

((عَلَیۡکُمۡ بِسُنَّتِیۡ وَسُنَّةِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیۡنَ الۡمَھۡدِیِّیۡنَ تَمَسَّکُوۡا بِھَا ......))[٧]

امام راغب فرماتے ہیں:

''سنت النبی ﷺ کا مفہوم حضور ﷺ کا وہ طریق جس پر آپ عملی زندگی میں کاربند رہے''۔[٨]

ابن الاثیر نے النہایہ میں لکھا ہے:

السنة : الاصل فيها الطريقة والسيرة واذا اطلقت فى الشرع فانما يراد بها ما أَمَرَ به النبى ﷺ ونهى عنه وندب اليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز[٩]

''سنت کا اصل معنی طریقہ ہے، اور جب شریعت میں سنت کا لفظ بغیر کسی اور قید کے استعمال ہو تو اس سے مراد وہ امور ہوتے ہیں جن کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہو یا ان سے منع فرمایا ہو، قول کے ذریعے یا فعل کے ذریعے، اور وہ امور ایسے ہوں جن کی تصریح قرآن مجید میں نہ ہوئی ہو۔''

محبّ اللہ بہاری نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے:

ما صدر عن النبى ﷺ من غير القرآن من قول او فعل او تقرير[١٠]

''سنت وہ امور ہیں جو نبی مکرم ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ قول، فعل، یا تقریر کی صورت میں صادر ہوں۔''

اہل السنّت کا اصطلاحی مفہوم

مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں (سنی اور شیعہ) میں سے مقدم الذکر کا نام اہل السنّت ہے۔ یعنی سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عمل پیرا ہونے والے لوگ۔ بالفاظ دیگر اس فرقے کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل کا محور رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار ہیں۔

الجماعۃ کا مفہوم

الجماعة : ماده ج م ع

جمع کے معنی ہیں اکٹھا کیا، اتفاق کیا، متفرق چیزوں کو قریب لا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

جماعۃ کے معنی بقول ابن منظور افریقی:

عدد كل شيءٍ و كثرتُه (۱۱)

''ہر ایک شے کی تعداد اور اس کی کثرت''۔

مادہ ج م ع کا استعمال اگرچہ قرآن مجید میں بارہا ہوا ہے تاہم لفظ ''**الجماعة**'' الفاظ قرآنیہ میں سے نہیں، البتہ حدیث مبارکہ میں **جماعة** کا لفظ مختلف معنوں میں بکثرت ہوا ہے۔

(**۱**) جماعۃ کا لفظ باجماعت نماز میں شریک ہونے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((**اَلْاِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ**)) (۱۲)

''دو یا دو سے زیادہ مرد جماعت ہیں (انہیں باجماعت نماز پڑھنی چاہیے)''۔

((**صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً**)) (۱۳)

''باجماعت نماز کو اکیلے نماز پر ستائیس درجہ فضیلت حاصل ہے''۔

(**۲**) دوسرا استعمال مسلمانوں کی اس جماعت کے لیے ہوا ہے جو کسی امام کی اطاعت پر جمع ہو۔ یہ استعمال ان احادیث میں ہوا ہے جہاں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ابو ادریس خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُـهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ اَنْ يُدْرِكَنِيْ، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، اِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ

بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِکَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ : ((نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ)). قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ : ((قَوْمٌ يَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِیْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ)) قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِکَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ : ((نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ اَجَابَهُمْ اِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا' قَالَ: ((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِاَلْسِنَتِنَا)) قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ اِنْ اَدْرَكَنِیْ ذٰلِکَ؟ قَالَ: ((تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ)) قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا اِمَامٌ؟ قَالَ : ((فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَکَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِکَ))

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں زیادہ سوال کیا کرتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں یہ شر مجھ پر نہ پڑ جائے۔ چنانچہ میں نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ جاہلیت اور شر کی حالت میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ یہ خیر ہمارے پاس لے آئے (ایمان واسلام اور امن وامان) تو کیا اس خیر کے بعد دوبارہ شر آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں آئے گا''۔ میں نے سوال کیا: کیا اس شر کے بعد دوبارہ خیر آئے گی؟ فرمایا: ''ہاں آئے گی مگر اس میں گدلا پن ہوگا''۔ میں نے سوال کیا: یہ گدلا پن کیسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایسے لوگ آئیں گے جو میری سنت کے خلاف قوم کی رہنمائی کریں گے' تم ان میں اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے بھی''۔ میں نے سوال کیا: اس قسم کی خیر کے بعد پھر شر آئے گا؟ فرمایا: ''ہاں ایسا شر آئے گا کہ جہنم کے دروازوں پر بلانے والے بیٹھے ہوں گے اور جو لوگ ان کی دعوت قبول کریں گے وہ ان کو جہنم میں پھینک دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی کچھ صفات بیان فرمائیے۔ فرمایا: وہ ہماری ہی قوم میں ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے کہا: اگر یہ حالات مجھ پر آ گئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے امام کے ساتھ چمٹے رہو''۔ میں نے عرض کی: ''اگر مسلمانوں کی جماعت بھی نہ ہو اور ان کا کوئی امام بھی نہ ہو تو پھر کیا کروں گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ان سارے فرقوں سے الگ رہو اگرچہ تمہیں کسی درخت کی جڑوں کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا پڑے یہاں تک کہ جب تم پر موت آئے تو تم اسی حالت پر ہو''۔

(۳) تیسرا استعمال عامۃ المسلمین کے لیے بھی ہوا ہے جنہیں قوم' ملک' نسل' رنگ اور زبان کے اختلافات سے قطع نظر محض دینی اور اسلامی رشتے نے ایک قوم بنا دیا ہو۔ مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

((فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ)) (۱۵)

''حائضہ عورتیں بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہو جائیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں' البتہ ان کی نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں''۔

(٤) چوتھا استعمال سنت کے معنوں میں ہوا ہے:

اما ترک السنة فالخروج من الجماعة[١]

''سنت کو چھوڑ دینا جماعت سے نکل جانا ہے''۔

حنبلی عقیدے میں یہ خیال برابر کام کرتا رہا ہے کہ حقیقی مسلمان بننے اور جماعت مسلمین میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کے لیے جماعت صحابہؓ کے تعامل پر نظر رکھی جائے۔ چنانچہ ایک حنبلی عالم ابن بطة العکبری نے لکھا ہے:

''لزومِ جماعت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک یا ان کی پیروی کرنے والوں سے اتفاق مراد ہے''۔[١٧]

ابن حزم نے **الجماعة** کی تشریح میں صحابہ کرام کے ساتھ تابعین عظام اور مابعد کے ائمہ کی پیروی بھی ضروری قرار دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب **الاحکام فی اصول الاحکام** میں لکھا ہے:

هم الصحابة والتابعون لهم باحسان ومن اتى بعدهم من الائمة[١٨]

''یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد میں آنے والے ائمہ''۔

جماعت کے تصور اور اس کے لوازم و شرائط کے بارے میں مختلف مکاتب فکر میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل میں اس پر روشنی ڈالی ہے، اور اس میں انہوں نے معنی کے لحاظ سے **الجماعة** کے مفہوم میں وسعت کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

والصحيح عندنا ان امة الاسلام تجمع المقرين بحدوث العالم وتوحيد صانعه وقدمه وصفاته وعدله وحكمته ونفى التشبيه عنه ونبوة محمد ﷺ ورسالته الى الكافة وبتأييد شريعته وبان كل ما جاء به الحق وبان القرآن منبع احكام الشريعة وان الكعبة هى القبلة التى تجب الصلوٰة اليها فكل من اقرّ بذٰلک كله ولم يشبه ببدعة تؤدى الى الكفر فهو السُّنّى الموحّد.[١٩]

''ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ جو شخص حدوث عالم، خالق کائنات کی وحدانیت و قدامت، اس کی صفات، اس کی عدل و حکمت اور اس کی ذات کے کسی کے مشابہ نہ ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور ان کے پیغام کے تمام انسانوں کے لیے کافی اور برحق ہونے کا اعتقاد رکھے نیز قرآن کو احکامِ شریعت کا سرچشمہ سمجھے اور کعبے ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو فرض سمجھے اور علاوہ ازیں کسی ایسی بدعت میں ملوث نہ ہو جو کفر تک پہنچانے والی ہو تو ایسا شخص سنی اور موحد ہے۔ یعنی ملت اسلامیہ کے سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت میں شامل ہے''۔

جبکہ اس کے برعکس حنبلی عقیدے میں دائرہ تنگ کرتے ہوئے اس پر زور دیا گیا ہے کہ سنت نبوی اور سنت

صحابہؓ سے سرمو انحراف نہ ہو ورنہ الجماعۃ کا مفہوم اس پر صادق نہ آ سکے گا۔

طبری کا رجحان اس طرف ہے کہ الجماعۃ کا مفہوم صرف صحابہ کی جماعت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ لزوم الجماعۃ کے معنی ہیں کسی خاص زمانے تک محدود کیے بغیر ہر زمانے کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اتفاقِ رائے۔

(۵) فقہاء کے ہاں جماعت کا لفظ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد اعلیٰ تھانوی نے کشاف اصطلاحات الفنون میں بذیل مادہ ج'م'ع لکھا ہے:

الفقهاء يريدون بها صلوة الامام مع غيره

اسی طرح فقہاء کے ہاں جماعت کا اصولی مفہوم وہ جماعت صحابہؓ ہے جو نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھی۔ بعد میں نماز سے قطع نظر اس لفظ سے صحابہ کی پوری جماعت مراد لی گئی۔

(۶) **الجماعۃ** بمعنی اہل السنّت والجماعت: احادیث میں **الجماعۃ** کا اطلاق ان تمام مسلمانوں پر بھی ہوا ہے جو فکر و عمل کے اعتبار سے سنت رسول اور سنت اصحاب رسول کا التزام کرتے ہیں، جن کو اصطلاح میں اہل السنّت والجماعت کہا جاتا ہے۔ **الجماعۃ** کا یہ مفہوم اس حدیث سے ماخوذ ہے جو حدیث افتراقِ اُمت کے نام سے مشہور ہے:

عن مُعاوية رضی اللہ عنہ **قال : أَلاَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ** ﷺ **قَامَ فِيْنَا فَقَالَ : ((اَلا اِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً وَاِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ : ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِى النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ وَهِىَ الْجَمَاعَةُ))** وفی روایۃ ابن یحیی وعمرو **((وَاِنَّـهٗ سَيَخْرُجُ فِىْ اُمَّتِىْ اَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهٖ)) وقال عمرو: "الكلب بصاحبه لا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله"** (۲۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''لوگو سنو! جو اہل کتاب تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ ملت (میری اُمت) تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں سے بہتر (۷۲) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا، یہی جنت میں جانے والے **الجماعۃ** ہیں''۔ دوسری روایت (ابن یحییٰ اور عمرو سے منقول) میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''میری اُمت میں ایسے گروہ بھی ظاہر ہوں گے جن کے اندر یہ خواہشات نفسانی اس طرح پھیل جائیں گی جس طرح پاگل کتے کے کاٹے ہوئے شخص کے جسم میں اس کے جراثیم پھیل جاتے ہیں''، یعنی اس کی کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں ہوتا جس میں جراثیم داخل نہ ہوئے ہوں۔

اور سنن الترمذی کی روایت ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ : ((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ، وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَاءِ یْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً، کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً)) قَالَ : وَمَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ))[۲۱]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں فرقہ ناجیہ کی تعیین کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ)) یعنی فرقہ ناجیہ وہ جماعت ہوگی جو میری سنت اور میرے صحابہ کی سنت پر قائم اور عامل ہوگی۔

افتراقِ اُمت کی اس حدیث میں جن بہتر (۷۲) فرقوں کا ذکر ہوا ہے وہ بھی اُمت مسلمہ اور اہل قبلہ سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا تھا: ''وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃً'' بالفاظِ دیگر آپ ﷺ نے ان سارے فرقوں کے لیے ''اُمَّتِیْ'' کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ لیکن یہ بہتر (۷۲) فرقے خواہشاتِ نفسانی اور قرآن وسنت کی نصوص میں غلط اور باطل ومن مانی تأویلات کر کے سنت رسولؐ اور سنت اصحابِ رسولؐ کے خلاف بدعات وخرافات کے راستے نکال کر ان پر چل پڑے۔ ان بہتر بدعتی فرقوں نے اسلام سے اپنا تعلق توڑے بغیر سوادِ اعظم سے اپنے راستے الگ کر لیے تھے۔ یہ بہتر بدعتی فرقے کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو ان کے نام بتائے اور نہ ہی ان کے عقائد ونظریات کی تفصیل بتائی ہے، بلکہ ان کی پہچان کے لیے ایک جامع قسم کی صفت اور علامت بتا دی جس سے وہ پہچان لیے جائیں گے اور وہ امتیازی وصف وعلامت سنت رسولؐ سنت خلفائے راشدین اور سنت اصحاب رسولؐ کا التزام چھوڑ کر ہوائے نفس کا اتباع کرنا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ ناجیہ کی تشریح کبھی آپ ﷺ نے ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' سے کی اور کبھی ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ'' سے اور کبھی ''عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ'' سے۔ چنانچہ ان فرقوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں نے انہیں پہچان لیا اور محدثین نے ان کے نام اور عقائد معلوم کر کے اُمت مسلمہ کو ان سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی۔

''الجماعۃ'' کا یہ مفہوم (یعنی اہل السنّت والجماعت) اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْجِھَادِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجَمَاعَۃِ، فَاِنَّہٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّا اَنْ یَرْجِعَ . وَمَنِ ادَّعٰی دَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَاِنَّہٗ مِنْ جُثَا جَھَنَّمَ)) فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ؟ فَقَالَ: ((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی، فَادْعُوْا بِدَعْوَی اللّٰہِ الَّذِیْ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِبَادَ اللّٰہِ))(۲۲)

''اور میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ سننا، ماننا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا اور الجماعۃ کا التزام کرنا۔ اس لیے کہ جو شخص الجماعۃ سے بالشت برابر بھی الگ ہوا تو اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار دیا، اِلا یہ کہ دوبارہ لوٹ آئے۔ اور جو لوگ جاہلیت (نسلی عصبیت) کی دعوت دیتے ہیں تو وہ جہنمی ہیں''۔ ایک شخص نے پوچھا اگرچہ وہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہوں؟ فرمایا: ''اگرچہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہوں۔ پس اللہ کے بندو! تم لوگوں کو اللہ کی جانب بلاؤ جس نے تم کو مسلمین اور مؤمنین کا نام دیا ہے''۔

ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' میں ''من خرج من الجماعة قيد شبرٍ'' کی وضاحت میں لکھا ہے:

من فارق ما عليه الجماعة بترک السنة واتباع البدعة(۲)

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ''الجماعة'' کا اطلاق تمام ان مسلمانوں پر ہوتا ہے جو سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا التزام کرتے ہوں جن کو اہل السنّت والجماعت کہا جاتا ہے، اور التزامِ جماعت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے اصولوں کی پابندی کی جائے اور ان سے خروج وشذوذ نہ کیا جائے۔

اہل السنّت والجماعت کی اصطلاح

اہل السنّت والجماعت حضرات ائمہ اربعہؒ سے بھی پہلے تھے، لیکن اس وقت اس نام سے موسوم نہ تھے، بلکہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔ یہ اصطلاح لفظی اعتبار سے اگرچہ دیر کے بعد ظہور میں آئی مگر عملی طور پر ملت اسلامیہ کی غالب اکثریت آغاز ہی سے اس پر کاربند تھی اور ایسے مصلحین کی بھی کمی نہیں رہی جو ملت کی وحدت کے لیے ہمہ تن سرگرم رہے۔ مثلاً امام اشعری سے پہلے ''الحاسبی'' (متوفی ۲۴۳ھ/۸۵۷ء) نے اہل السنّت کے عقائد کی تائید کی اور اس کے لیے علمِ کلام کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا۔

یہ اصطلاح مکمل اور جامع شکل میں کب مروّج اور مستعمل ہوئی اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ تیسری صدی ہجری میں خلیفہ متوکل (۲۳۲ھ/۸۴۶ء۔۸۴۷ تا ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) کے عہد میں اور امام ابوالحسن الاشعری (۲۶۰ھ/۸۸۳ء۔۸۸۴ء تا ۳۲۴ھ/۹۳۶ء) کی تحریک کے بعد یہ اصطلاح عام ہوگئی۔ اس دور میں جمہور اُمت، جماعت اور اہل السنّت کی جگہ اہل السنّت والجماعۃ کی اصطلاح زیادہ مروّج ہوئی۔(۲۴) الفرق الاسلامیہ کے مصنف کا قول نقل کرتے ہوئے الزعبی لکھتا ہے: ''اس دور میں لوگوں نے ابوالحسن الاشعری کا مذہب اپنا لیا اور اہل السنّت والجماعۃ کے نام سے موسوم ہوئے''۔(۲۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جنگ جمل وصفین کے واقعات نے ملت بیضاء کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ نیز دوسرے ادیان اور فلسفیانہ افکار رکھنے والی اقوام سے اختلاط کے باعث اسلام میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہوگیا' افکار میں اضطراب پیدا ہوگیا اور کئی ایک فرقے پیدا ہوگئے جن میں سے اصل فرقے چار ہیں: قدریہ (معتزلہ)' خوارج' روافض (شیعہ) اور مرجئہ۔ باقی جتنے چھوٹے بڑے فرقے اور گروہ بنے ہیں وہ انہی چار کی ذیلی شاخیں اور گروپ ہیں جو الگ الگ ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔(۲۶)

قاضی عضد وسید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ اسلام کے اصل آٹھ فرقے ہیں: معتزلہ' شیعہ' خوارج' مرجئہ' نجاریہ' جبریہ' مشبہہ اور ناجیہ (اہل السنّت والجماعت)۔ اس کے بعد ان آٹھ فرقوں کی ذیلی شاخوں اور گروپوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: معتزلہ ۲۰' شیعہ ۲۲' خوارج ۲۰' مرجئہ ۵' نجاریہ ۳' مشبہہ ۱' ناجیہ ۱' کل ۷۳۔ مقریزی نے تاریخ مصر میں اصل فرقوں کی تعداد پانچ بتائی ہے: سنی' شیعہ' معتزلہ' خوارج' مرجئہ (۲۷) جبکہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے اسلامی فرقے چار ہیں:

(۱) القدریہ (معتزلہ)' (۲) الصفاتیہ' (۳) الخوارج' (۴) الشیعہ۔

بعد ازاں ان فرقوں میں سے بعض بعض دوسروں کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہر فرقہ سے متعدد اصناف (شاخیں) پھوٹ پڑی ہیں اور یوں ان کی تعداد تہتر فرقوں تک جا پہنچی۔(۲۸)

اسلامی فرقوں میں اختلاف کے اصول

شہرستانی نے وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے ہیں جن کی اساس پر اسلامی فرقوں کی تعداد کا تعین ممکن ہے۔ ان کے خیال میں اختلاف کے اصول چار ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) صفات وتوحید باری تعالیٰ:

ایک جماعت صفاتِ ازلیہ کا اثبات کرتی ہے جبکہ دوسری جماعت اس کی نفی کرتی ہے۔ یعنی خدا کے متعلق قرآن مجید میں جو الفاظ اس قسم کے مذکور ہیں جو جسمانیات کے لیے مخصوص ہیں' مثلاً عرش پر متمکن ہونا ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے جھرمٹ میں آنا ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر) وغیرہ ان کے حقیقی معنی مراد ہیں یا مجازی؟ اس سوال نے متعدد فرقے پیدا کر دیے (اشعریہ' کرامیہ' مجسمہ اور معتزلہ)۔ محدثین اور اشاعرہ ان آیات سے حقیقی مفہوم مراد لیتے ہیں۔ پھر ان ہی میں سے بڑھتے بڑھتے دو فرقے مجسمہ اور مشبہہ نکل آئے جو اللہ کے ہاتھ پاؤں تک مانتے ہیں۔ جبکہ معتزلہ کے نزدیک ان آیات سے مجازی مفہوم مراد ہے۔ اسی وجہ سے ان کو منکرین صفات کہا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ خدا کی صفات کو اگر قدیم مانیں تو تعددِ قدماء لازم آتا ہے اور

حادث مانیں تو خدا کا محل حوادث ہونا خدا کے حدوث کو مستلزم ہے۔ پہلی مشکل سے بچنے کے لیے معتزلہ نے یہ رائے اختیار کی کہ خدا کی علیحدہ صفات نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہمیں صفات سے ہوتے ہیں۔ جبکہ محدثین سمجھے کہ یہ خدا کی صفات کا انکار ہے' اس بنا پر انہوں نے خدا کی جداگانہ صفات قرار دیں۔

(۲) قدر و عدل:

یہ چند مسائل پر مشتمل ہے' یعنی قضاء' قدر' جبر' کسب' خیر و شر' ارادۂ الٰہی مقدور اور معلوم۔ ایک جماعت ان کو ثابت کرتی ہے اور دوسری ان کی نفی کرتی ہے اور ان مسائل میں قدریہ (معتزلہ) نجاریہ' جبریہ' اشعریہ اور کرامیہ کے مابین اختلافات ہیں۔

وضاحت: انسان سے صادر ہونے والے افعال کو اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں' یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہماری اختیاری نہیں ﴿وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ ط﴾ (الدھر) لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو مذہب کی جان (ثواب و عقاب کی بنیاد) اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں۔ بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کراتا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط﴾ (النساء: ۷۸) اور بعض میں یہ تصریح ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے: ﴿وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (النساء: ۷۹) اس بنا پر اہل اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے۔ جو اس لفظ میں جھجکتے تھے انہوں نے کسب و ارادہ کا پردہ رکھا اور اس کے موجد ابوالحسن اشعری تھے' ورنہ قدماء اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ اس کے برعکس معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے تمام افعال میں مختار محض ہے' البتہ یہ اختیار اس کو اللہ نے دیا ہے' اس لیے اللہ کے اختیار مطلق میں اس سے فرق نہیں آتا۔

(۳) وعد و وعید' اسماء و احکام

ان میں ایمان' توبہ' وعید' ارجاء' تکفیر و تضلیل کے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل کا ایک جماعت ایک وجہ اور طریقہ پر اثبات کرتی ہے جبکہ دوسری جماعت ان کی نفی کرتی ہے۔ ان میں مرجئہ' وعیدیہ' معتزلہ' اشعریہ اور کرامیہ کے درمیان اختلاف ہیں۔

وضاحت: ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں؟ چونکہ اکثر احادیث میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں: ''اِنَّهُ مِنَ الْاِيْمَانِ'' اس لیے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں' لیکن اہل نظر جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سب سے پیش رو تھے' نے اس سے اختلاف کیا اور اعتقاد و عمل میں تفریق کی۔ محدثین نے ان لوگوں کا نام مرجئہ رکھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بہت سے محدثین مرجئہ

کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(۴) سمع، عقل، رسالت و امامت:

یہ مباحث چند مسائل پر مشتمل ہیں۔یعنی تحسین، تقبیح، صلاح، اصلح، لطف، عصمت نبی، شرائط امامت۔ یہ امامت ایک جماعت کے ہاں نص سے ثابت ہے اور دوسری کے نزدیک اجماعِ اُمت سے۔ جو لوگ امامت میں نص کے قائل ہیں ان کے مطابق اس کے منتقل ہونے کی کیفیت اور جو لوگ اجماع کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کے اثبات کی کیفیت۔شیعہ، خوارج، معتزلہ، کرامیہ اور اشعریہ کے درمیان ان امور میں اختلافات ہیں۔

وضاحت: تحسین و تقبیح کی وضاحت، عقل و نقل میں کس کو ترجیح ہے یا یہ کہ عقل و نقل کی کیا حدود ہیں؟ تمام اشاعرہ نقل کو اور معتزلہ وغیرہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس اصول کی بنیاد پر جو تفصیلی عقائد قائم ہوئے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:(۲۹)

اشعریہ: کوئی شے فی نفسہٖ اچھی یا بری نہیں، شارع جس شے کو اچھی کہہ دیتا ہے وہ اچھی اور جس کو بری کہہ دیتا ہے وہ بری ہو جاتی ہے۔	**معتزلہ**: ہر شے پہلے سے اچھی یا بری ہے۔شارع ایسی چیز کو اچھی کہتا ہے جو فی نفسہٖ اچھی تھی اور اس چیز کو بری کہتا ہے جو پہلے سے بری تھی۔
اشعریہ: اللہ محالات کا حکم دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔	**معتزلہ و حنفیہ**: اللہ کسی محال چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔
اشعریہ: اللہ پر عدل و انصاف کرنا ضروری نہیں۔	**معتزلہ**: ضروری ہے۔
اشعریہ: اللہ عبادت کے عوض میں عذاب دے سکتا ہے اور گناہ کے بدلے میں انعام۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو ناانصافی نہیں ہے(۳۰)	**معتزلہ**: اللہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا اور ایسا کرے تو ظلم اور ناانصافی ہے۔

البغدادی نے ''**الفرق بین الفرق**'' میں اہل السنّت والجماعت کی آٹھ اصناف بیان کی ہیں۔اس کا خلاصہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

صنف (۱) میں وہ اصحابِ علم شامل ہیں جو توحید، نبوت، احکام، وعد و وعید، ثواب و عقاب، اجتہاد اور امامت و قیادت کے بارے میں صحیح اور کامل معلومات سے بہرہ ور ہیں اور انہوں نے خوارج وغیرہ اور تشبیہ و تعطیل کے معتقد متکلمین سے الگ راستہ اختیار کیا ہے۔

صنف (۲) میں فقہاء شامل ہیں جو قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ سے استنباط احکام کا منصب سنبھالے ہوئے ہیں۔جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، سفیان

ثوری، ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم ان کے اصحاب اور اہل الظاہر شامل ہیں۔

صنف سوم میں علماء حدیث شامل ہیں۔

صنف چہارم میں وہ علماء ادب ونحو وصرف شامل ہیں جو فرق ضالہ قدریہ، رافضہ اور خوارج وغیرہ سے الگ تھلگ رہے، جیسے خلیل بن احمد، ابوعمرو بن العلاء، سیبویہ، فراء، اخفش، اصمعی، مازنی، ابوعبید وغیرہ کو فیین وبصریین ائمہ نحو۔

صنف پنجم: وہ قراء اور مفسرین جو قراءاتِ قرآن اور تفسیر وتاویل آیاتِ قرآن میں مذہب اہل السنّت والجماعت کے پابند رہے۔

صنف ششم میں وہ زہاد وصوفیاء شامل ہیں جو توحید اور نفی تشبیہ کے قائل اور قناعت، تسلیم اور توکل کی صفات سے متصف ہیں۔

صنف ہفتم: وہ مجاہدین اور شمشیر بکف محافظین دین ہیں جن کا شیوہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہے، اور جو مملکتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار اور سر بکف رہتے ہیں۔

صنف ہشتم: وہ عوام الناس کا طبقہ ہے جو توحید، عدل، وعد ووعید وغیرہ کے بارے میں علماء اہل السنّت والجماعت کے عقائد کی تصویب اور حلال وحرام میں ان کی تقلید کرتے ہیں اور فرق ضالہ کی پھیلائی ہوئی بدعات میں سے کسی بھی بدعت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔[۳۱]

فرقہ ناجیہ کے اہم ستون

اہل السنّت والجماعت کے اہم ستون دو ہیں: (۱) اشاعرہ (۲) ماتریدیہ

علامہ عبدالباقی المواہبی حنبلی لکھتے ہیں:

طوائف اهل السنة ثلاثة : اشاعرة ، ماتريدية و حنابلة[۳۲]

''اہل السنّت کے تین گروہ ہیں: (۱) اشاعرہ، (۲) ماتریدیہ، (۳) حنابلہ۔

صاحب عقیدہ سفارینیہ امام محمد السفارینی حنبلی نے لکھا ہے:

اهل السنة والجماعة ثلاث فرق: الاثرية وامامهم احمد بن حنبل والاشعرية وامامهم ابوالحسن الاشعرى والماتريدية وامامهم ابومنصور الماتريدى[۳۳]

''اہل السنّت والجماعت کے تین گروہ ہیں۔ اثریہ اور ان کے امام احمد بن حنبل۔ اشعریہ اور ان کے امام ابوالحسن اشعری اور ماتریدیہ اور ان کے امام ابومنصور ماتریدی''۔

ایک اور مقام پر فرقہ ناجیہ کی تعیین کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال بعض العلماء : هم . يعنى الفرقة الناجية . اهل الحديث يعنى الاثرية والاشعرية والماتريدية . [۳۴]

''بقول بعض علماء فرقہ ناجیہ اہل الحدیث یعنی اثریہ اشعریہ اور ماتریدیہ ہیں''۔

امام مرعی بن یوسف الکرمی الحنبلی نے لکھا ہے:

وفرقة اخرى اثبتت الصفات المعنوية من نحو السمع والبصر والعلم والقدرة والكلام وهو مذهب جمهور اهل السنة والجماعة واتباع ائمة المذاهب الاربعة' ثم اختلفوا فيما ورد به السمع من لفظ العين واليد والوجه والنفس والروح ففرقة اولتها على ما يليق بجلال الله تعالى وهم جمهور المتكلمين من الخلف ..... وفرقة اثبتت ما اثبته الله ورسوله منها واجروها على ظواهرها.....(۳۵)

''اور ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے سمع' بصر' علم' قدرت اور کلام وغیرہ صفات کا اثبات کرتا ہے اور یہ جمہور اہل السنّت والجماعت اور ائمہ مذاہب اربعہ کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔ پھر ان کا عین' ید' وجہ' نفس اور روح وغیرہ صفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک فرقہ تو ان صفات کی اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق تاویل کرتا ہے اور یہ خلف میں سے جمہور متکلمین ہیں.....اور ایک دوسرا فرقہ تاویل کیے بغیر ان صفات کو ظاہری مفہوم پر محمول کرتا ہے.....''

امام موصوف نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں تاویل کرنے والوں اور ان کو ظاہری مفہوم پر محمول کرنے والوں دونوں کو اہل السنّت والجماعت میں شامل کیا ہے۔ بعینہٖ یہی کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ محمد بن ابراہیم بن الوزیر یمانی(۳۶) نے اور ابن ابی العز الحنفی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں لکھا ہے۔(۳۷)

اہل السنّت والجماعت کے عقائد کی حمایت اور معتزلہ کے ردعمل کے طور پر اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نام سے دو طاقتور تحریکیں تیسری/چوتھی صدی ہجری میں برپا ہو گئیں جن کا بہت سارے بنیادی مسائل میں مکمل اتفاق کے ساتھ چند ایک فروع میں اختلاف بھی تھا جو کہ معمولی نوعیت کا تھا۔

اشاعرہ کون تھے؟

امام اشعری کا نام علی بن اسماعیل ہے۔ پیدائش ۲۶۰ھ میں بصرہ کے مقام پر ہوئی اور ۳۳۰ھ کے لگ بھگ بغداد میں وفات پائی۔ انہوں نے معتزلہ کے شیخ ابوعلی جبائی سے تعلیم پائی تھی' چنانچہ وہ معتزلہ کے ساختہ پرداختہ اور ان کے دسترخوان علم وفضل سے فیض یافتہ تھے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ زمانۂ شاگردی میں اپنے استاد کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن خواب میں ہدایت ہوئی جس کی بنا پر بروز جمعہ لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ تقریر کی جو المذاہب الاسلامیہ کے حوالہ سے ہم نقل کر رہے ہیں:

''اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میرا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں نے برا کیا۔ اب اس سے توبہ کرتا ہوں اور معتزلہ کی تردید کے درپے ہوں.....

لوگو! میں کچھ عرصہ غائب رہ کر دلائل کا موازنہ کرتا رہا اور مجھے ان میں کچھ فرق نظر نہ آیا۔ میری نگاہ میں سبھی دلائل یکساں نوعیت کے تھے..... میں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ مجھے راہِ حق پر گامزن کر دے۔ چنانچہ جو ہدایت مجھے دربارِ ربی سے ارزانی ہوئی اسے میں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا۔ سابقہ عقائد کے لبادہ کو میں نے یوں اتار پھینکا جیسے یہ لباس اُتار رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا کپڑا جسے اوڑھ رکھا تھا اتار دیا اور اپنی کتابیں جو محدثین وفقہاء کے طرز پر لکھی تھیں لوگوں کے حوالہ کر دیں''۔(۳۸)

بعد ازاں بغداد جا کر حدیث وفقہ کی تکمیل کی اور معتزلہ کے رد میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ شافعیہ میں ان کی بڑی قدر ومنزلت ہوئی اور سینکڑوں ہزاروں علماء ان کے شاگرد ہو گئے۔ ان میں سے مشہور بزرگوں کے چند نام درج ذیل ہیں: ابوبکر قفال' ابوزید مروزی' ابوبکر جوزجانی' ابوعبداللہ الطائی' شیخ ابومحمد الطبری ابوالحسن باہلی۔ یہ لوگ اگرچہ خود بھی مشہور اور نامور تھے لیکن ان کے شاگرد ابوبکر باقلانی' ابواسحاق اسفرائینی' ابوبکر بن فورک اور پھر ان کے شاگرد امام الحرمین عبدالملک الجوینی' امام غزالی اور امام رازی وغیرہ ان سے بھی زیادہ نامور ہوئے۔ ان لوگوں کی عظمت واقتدار کی وجہ سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔

امام اشعری کی تصنیفات میں اہل السنّت کے جو عقیدے قرار دیے گئے ہیں وہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین کے دیباچے میں قواعد العقائد کے نام سے شامل کیے ہیں۔ امام غزالی کے بعد امام رازی نے ان مسائل کو زیادہ منقح کر کے پیش کیا۔ ان کے بعد سب ان ہی کے خوشہ چین ہوتے آئے ہیں۔ اشعری مسلک کے جو مہمات مسائل ہیں اور جو بقول اشاعرہ سنت اور اعتزال میں حد فاصل ہیں وہ امام غزالی و امام رازی کے اصل الفاظ میں درج ذیل ہیں:

(۱) یجوز علی اللّٰہ سبحانہ وتعالی ان یکلف الخلق ما لا یطیقونہ خلافا للمعتزلۃ۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ معتزلہ کو اس مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔''

(۲) ان للّٰہ عزوجل حق ایلام الخلق وتعذیبھم من غیر جرم سابق ومن غیر ثوابٍ لاحق خلافا للمعتزلۃ۔

''اللہ عزوجل کو حق ہے کہ مخلوقات کو عذاب دے بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو ثواب دے بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی نیک کام کیا ہو۔ معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(۳) ان تعالٰی یفعل بعبادہٖ ما یشاء فلا یجب علیہ رعایۃ الا صلح لعبادہ..... خلافاً للمعتزلۃ۔

''اللہ اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہے کرے اس کے لیے وہ کام ضروری نہیں جو اس کے بندوں کے لیے زیادہ مناسب ہو' معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(٤) ان معرفۃ اللّٰہ سبحانہ وتعالٰی وطاعتہ واجبۃ بایجاب اللّٰہ وشرعہ لا بالعقل خلافاً للمعتزلۃ۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت شریعت کی رو سے واجب ہے' عقل کی رو سے

نہیں۔معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(۵) المیزان حق و وجھه ان اللّٰه تعالٰی یحدث فی صحائف الاعمال وزناً۔
''ترازو حق ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کردے گا۔''
یہ تمام عقائد اپنی عبارتوں کے ساتھ احیاء العلوم کے دیباچے میں مذکور ہیں۔

(٦) قال اصحابنا دلت الایة علی انه تعالٰی لا یراعی مصالح الدین والدنیا (۳۹)
امام رازی لکھتے ہیں: ''ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین ودنیا کی مصلحتوں کا لحاظ نہیں کرتا۔''

(۷) ان البنیة لیست شرطاً فی الحیٰوة فالنار علی ما ھی علیه یجوز ان یخلق اللّٰه الحیٰوة والعقل والنطق فیھا وعند المعتزلة ذلك غیر جائز(۴۰)
''زندگی کے لیے کوئی جسم یا خاص بناوٹ شرط نہیں۔مثلاً آگ میں اللہ تعالیٰ زندگی، عقل اور گویائی پیدا کرسکتا ہے۔معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔''

(۸) لا یمتنع ان یحضر عندنا جبال شاھقة واصوات عالیة ونحن لا نبصرھا ولا نسمعھا ولا یمتنع الینا ان یبصره الاعمی الذی یکون بالمشرق بقة بالمغرب وبالجملة فانه منکر جمیع تأثیرات الطبائع والقوی۔(۴۱)
''یہ ناممکن نہیں کہ ہمارے سامنے اونچے اونچے پہاڑ موجود ہوں اور بلند آوازیں آتی ہوں اور ہم کو دکھائی اور سنائی نہ دیں۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک اندھا مشرق میں بیٹھا ہوا مغرب کے ایک مچھر کو دیکھ لے۔مختصر یہ کہ امام اشعری طبیعت اور قویٰ کی تمام تأثیرات کے منکر ہیں۔''

(۹) اما اھل السنة فقد جوزوا ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الھواء ویقلب الانسان حمارًا والحمار انسانًا۔(۴۲)
''اہل السنّت کے نزدیک جادوگر اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ ہوا میں اُڑے اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنادے۔''

(۱۰) لا تأثیر لقدرة العبد فی افعاله۔
''بندے کے افعال میں بندے کی قدرت کا کچھ اثر نہیں۔''

(۱۱) ان اللّٰه یرید الکفر من الکافر والعصیان من العاصی۔
''کافر کا کفر اور گناہگار کا گناہ خود اللہ نے چاہا تھا۔''

یہ وہ عقائد ہیں جو اشعریہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ان کے سوا اور بھی عقائد ہیں جن کو اجمالاً امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں نقل کیا ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ذات الٰھی: (۱) اللہ موجود ہے۔ (۲) واحد ہے۔ (۳) قدیم ہے۔ (۴) جوہر نہیں ہے۔ (۵) عرض نہیں ہے۔ (۶) کسی جہت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (۷) کسی مکان میں نہیں ہے۔ (۸) وہ نظر آ سکتا ہے۔ (۹) ہمیشہ رہے گا۔ (۱۰) جسم نہیں ہے۔

صفات الٰھی : (۱) اللہ زندہ ہے۔ (۲) عالم ہے۔ (۳) قادر ہے۔ (۴) صاحب ارادہ ہے۔ (۵) سنتا ہے۔ (۶) دیکھتا ہے۔ (۷) بولتا ہے۔ (۸) حوادث کا محل نہیں۔ (۹) اس کا کلام قدیم ہے۔ (۱۰) اس کا علم وارادہ ہے۔

افعال الٰھی : (۱) افعال عباد کا خالق اللہ ہے۔ (۲) افعال عباد کے مکتسب عباد ہیں۔ (۳) اللہ نے ان افعال کا ہونا چاہا۔ (۴) اللہ نے جو خلق واختراع کیا یہ اس کا احسان ہے۔ (۵) اللہ کے لیے تکلیف مالا یطاق دینا جائز ہے۔ (۶) بے گناہ کو سزا دینا اس کے لیے جائز ہے۔ (۷) اس پر مصلحت کی پابندی نہیں۔ (۸) واجب وہی چیز ہے جو شرع کی رو سے واجب ہے۔ (۹) انبیاء کا مبعوث ہونا ممکن ہے۔ (۱۰) محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت معجزات سے ثابت ہے۔

الحاصل یہ کہ اشاعرہ کے وہ مخصوص مسائل جو ان کی پہچان کا ذریعہ بن گئے تھے، درج ذیل ہیں:

(۱) انسان اپنے افعال پر قدرت مؤثرہ نہیں رکھتا۔ تاہم جبر سے بچنے کے لیے انہوں نے کسب کا قول اختیار کیا۔ بعد میں امام رازی نے کسب کا پردہ اٹھا کر اپنی تفسیر کبیر میں صاف صاف جبر کا قول اختیار کیا اور اس پر جا بجا دلیلیں قائم کی ہیں۔

(۲) اللہ کے افعال کا بغیر کسی مصلحت وحکمت کے ہونا۔

(۳) حسن وقبح کا عقلی نہ ہونا۔

(۴) زندگی کے لیے جسم کا مشروط نہ ہونا۔

(۵) دیکھنے کے لیے رنگ، جسم اور جہت کا مشروط نہ ہونا۔

(۶) کسی شے میں کسی خاصیت کا نہ ہونا۔

(۷) اشیاء میں سبب ومسبب کا سلسلہ نہ ہونا۔

امام اشعری کے مذکورہ بالا مخصوص مسائل کے اثبات میں امام غزالی اور امام رازی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے مگر افسوس کہ ان کی یہ کوششیں رائیگاں گئیں، کیونکہ وہ مسائل ہی اس قسم کے تھے کہ ان کے اثبات میں جو کوشش کی جاتی رائیگاں جاتی۔ کیوں کہ یہ مسائل کہ:

اللہ تکلیف مالا یطاق دیتا ہے۔

مسببات اسباب پر مبنی نہیں ہیں۔

جسم شرطِ حیات نہیں۔

جادو سے آدمی گدھا بن جاتا ہے۔
اللہ کے افعال کسی مصلحت وحکمت کے بغیر ہیں۔
کسی شے کے حسن وقبح کو عقل سے نہ سمجھنا وغیرہ، جیسے مسائل کس طرح ثابت کیے جا سکتے ہیں؟
(جاری ہے)

حواشی

(۱) لسان العرب، بذیل مادہ ا ۔ ھـ ۔ ل۔
(۲) القاموس المحیط، محمد بن یعقوب، محمد بن ابراھیم الفیروز آبادی، م ۸۱۷ھـ ۔ دار الکتب العلمیہ، ۴۵۳/۳۔
(۳) مفردات القرآن، راغب اصفھانی حسین بن محمد بن مفضل، م۵۰۰ھـ ۔ مترجم، اھل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاھور۔
(٤) لسان العرب بذیل مادہ ۱۔ھـ ۔ل۔
(٥) لسان، بذیل مادہ ۱ ۔ ھـ ۔ل۔
(٦) النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابن الاثیر: ۸۲/۱
(۷) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، حدیث ٤٦٠٧۔
(۸) مفردات القرآن بذیل مادہ س ن ن ۔
(۹) النھایۃ : ٤٠٦/٢۔
(۱۰) مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت بذیل المستصفی، ح ۲/۔
(۱۱) لسان العرب، بذیل مادہ ج ۔ م ۔ع۔
(۱۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اثنان فما فوقھما جماعۃ (ترجمۃ الباب)۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسُّنّۃ فیھا، باب الاثنان جماعۃ۔
(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنھا۔ وسنن النسائی، کتاب الامامۃ، باب فضل الجماعۃ۔ وسنن الترمذی، کتاب الصلٰوۃ، باب ما جاء فی فضل الجماعۃ۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب فضل الصلٰوۃ فی المسجد۔
(۱٤) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ، وکتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال وتحریم الخروج من الطاعۃ ومفارقۃ الجماعۃ۔ وسنن ابن ماجۃ، کتاب الفتن، باب العزلہ۔ وسنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ۔
(۱٥) صحیح البخاری، کتاب الصلٰوۃ، باب وجوب الصلٰوۃ فی الثیاب وکتاب العیدین باب اعتزال الحیض المصلی وکتاب الحیض، باب شھود الحائض العیدین ودعوۃ المسلمین ویعتز لن المصلی۔

(١٦) مسند احمد بن حنبل: ٢٢٩/٣۔

(١٧) الشرح والأبانة' ص ٢٠٦۔

(١٨) الاحكام فی اصول الاحكام: ١٢٨/٤۔

(١٩) الفرق بين الفرق' عبدالقاهر بن طاهر البغدادی م ٤٢٩هـ ' دار الافاق الجديدة' بيروت' ط ' ١٩٧٧ء'ص١٠۔

(٢٠) سنن ابی داؤد' كتاب السنة' باب شرح السنة۔ وسنن ابن ماجه' كتاب الفتن' باب افتراق الامم۔ وسنن الترمذی' ابواب الايمان عن رسول اللّٰه ﷺ' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔

(٢١) سنن الترمذی' ابواب الايمان عن رسول اللّٰه ﷺ' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔

(٢٢) سنن الترمذی' ابواب الامثال عن رسول اللّٰه ﷺ' باب ما جاء فی مثل الصلوٰة والصيام والصدقة' والصحيح لابن خزيمة' ١٩٥/٣۔والسنن الكبریٰ للبيهقی ١٥٧/١٨۔

(٢٣) مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح' مكتبه امدادية' ملتان ٢١٦/٧۔

(٢٤) لاسنة ولا شيعة ' محمد علی الزعبی' ص٦٧۔

(٢٥) حواله سابق۔

(٢٦) الابانة عن شريعة الفرق الناجية' طبع بيروت ١٩٨٨ء' ٣٧٧/١۔

(٢٧) الكلام اور علم الكلام' شبلی نعمانی' **مسعود پبلشنگ ہاؤس' کراچی' مطبوعہ ۱۹۶۴ء۔**

(٢٨) الملل والنحل ' **اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی کراچی یونیورسٹی' صفحہ ۳۹۔**

(٢٩) الملل والنحل ص:٣٨۔ مع اضافه و تشريحات۔

(٣٠) **اشاعرہ کے یہ عقائد شرح مواقف وغیرہ عقائد کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو** الكلام وعلم الكلام' ص ٢٩۔

(٣١) الفرق بين الفرق ' عبد القاهر بغدادی' ص ٣٠٠ تا ٣٠٣ ملخصًا۔

(٣٢) العين والاثر' ص ٥٢۔

(٣٣) لوامع الانوار شرح عقيدتية' ٧٣/١۔

(٣٤) ايضاً: ٧٦/١۔

(٣٥) اقاويل الثقات' ص ١٣٣۔

(٣٦) العواصم والقواصم: ٣٣١/٣و ١١٨/٤۔

(٣٧) شرح العقيدة الطحاوية' ص ١١٨۔

(٣٨) المذاهب الاسلامية' ص ٢٠٤ و ٢٠٥۔

(٣٩) تفسير كبير' سورة المائدة' آيت ﴿**وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا**﴾

(٤٠) تفسير كبير' تفسير سورة الفرقان' آيت ﴿**اِذَا رَءَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ**﴾

(٤١) المطالب العالية' امام رازی' بحث شبهات بر نبوت۔

(٤٢) تفسير كبير' قصه هاروت و ماروت۔

❁❁❁

عالم اسلام کی معروف جامعات میں
قرآنیات پر لکھے جانے والے مقالات

محمد شاہد حنیف ☆

☆انچارج شعبۂ رسائل وجرائد، مجلس التحقیق الاسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کسی بھی معاشرے کی ترقی کا اندازہ اہل فکر ونظر اس کے علمی اور فکری رسوخ سے کرتے ہیں۔اس کی علمی اور فکری بنیادیں جس قدر گہری اور پختہ ہوں گی اسی قدر وہ قوم مضبوط و مستحکم اور اس کی ترقی دیرپا ہوگی۔لیکن اگر وہ قوم اپنی ظاہری آرائش وزیبائش اور سکون وراحت کا تو پورا پورا خیال رکھے مگر علم وفکر اور تحقیق میں وہ مفلس، قلاش اور دیوالیہ ہو تو اس کی ترقی کی رنگین اور خوشنما عمارت بہت جلد زمین بوس ہو جاتی ہے۔قوم کی فکری پختگی کا اندازہ اس سوسائٹی میں ہونے والے تحقیقی اور علمی کام سے ہوتا ہے، جس قدر وہ معیاری اور تحقیقی ہوگا اسی قدر وہ قوم اعلیٰ وارفع ہوگی۔

زیرنظر صفحات میں فاضل مرتب نے عالمِ اسلام کی چند معروف جامعات میں قرآنیات پر لکھے جانے والے پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات کی ایک جامع فہرست پیش کی ہے تاکہ اس میدان میں ہونے والا کام بھی سامنے آجائے اور اہل تحقیق کو نئے موضوعات کے انتخاب میں بھی آسانی ہو۔ مرتب کی یہ کاوش یقیناً لائق تحسین ہے، جو نہ صرف تحقیق وتصنیف میں مشغول حضرات کے لیے مدد ومعاون ہوگی بلکہ عام قارئین کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہوگی۔مقالہ میں پی ایچ ڈی کے مقالہ جات کو P اور ایم فل کے مقالہ جات کو F سے واضح کیا گیا ہے۔(ادارہ)

آصف رضا زیدی	برصغیر وایران کے بیسویں صدی کے شیعہ مفسرین کی منتخب تفاسیر کا تحقیقی و تقابلی مطالعہ P اسلامیہ، کراچی
ابراہیم بن عبداللہ الطبری جمعا وترتیبا ودراسۃ	الآثار الواردۃ عن السلف فی الإیمان بالملائکۃ والکتب والرسل من تفسیر P امام، الریاض
ابراہیم خلیل برکہ ،والثالث، والرابع والخامس عشر من القرآن الکریم)	الدخیل والاسرائیلیات فی تفسیر ابن جریر الطبری (الجزء الثانی P الازہر، مصر
ابوبکر علی الصدیق والعشرین حتی الثلاثین)	الدخیل والاسرائیلیات فی تفسیر ابن جریر الطبری (الجزء السادس P الازہر، مصر
احمد براء الامیری	دعوۃ الانبیاء فی القرآن الکریم P عربی، پنجاب
احمد خان اعوان	تفاسیر سورہ یوسف مولانا عبداللہ لغاری اور مولانا عبیداللہ سندھی کا تقابلی جائزہ P معارف، سندھ
احمد سعید	ظاہرۃ الأضداد فی القرآن الکریم F اسلامیہ: پشاور
احمد عبدالقراوی	اثر القرآن فی الفاظ الحدیث الشریف P اسلامیہ، بہاولپور
احمد عمر عبداللہ	استدراکات ابن کثیر علی ابن جریر فی تفسیرہ P اسلامیہ، مدینہ

		Pاسلامیہ، مدینہ
اخلاق احمد	امثال قرآنی، تاریخی وعلمی تناظر میں	Pاسلامیہ، کراچی
ازکیا ہاشمی	امام بغوی کی خدماتِ حدیث وتفسیر: ایک تحقیقی مطالعہ	Pاسلامیہ، کراچی
اعجاز فاروق اکرم	زبدۃ التفاسیر للشیخ خواجہ معین الدین کشمیری تحقیق وتخریج	Pعربی، پنجاب
افتخار احمد	الشیخ امین احسن اصلاحی ومنہجہ فی تفسیر تدبر قرآن	Pاسلامیہ، بہاولپور
الزاکی احمد الزاکی	الماثور فی تفسیر الرازی دراسۃ وتحقیق	Pاسلامیہ، پنجاب
الٰہی بخش جاراللہ	امام عبدالقادر الجرجانی وکتابہ اعجاز القرآن	Pعربی، پنجاب
امداد علی	امثال القرآن	Fاسلامیہ، پشاور
انوار اللہ	مشکلات القرآن: قدیم وجدید تفاسیر کے پس منظر میں	Pاسلامیہ، کراچی
ایچ اے رشید	قرآن کریم میں مذکور انبیاء کے قصص سے فقہی احکام ومسائل کا استنباط	Pاسلامیہ، کراچی
بخت علی	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۴۰-۵۹) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	Fاسلامیہ، اوپن
بشیر احمد صدیقی	Modern Trends in Tafsir Literature	Pاسلامیہ، پشاور
تاج محمد	بلوچستان میں تفسیر قرآن مجید خصوصاً کشف القرآن کا تنقیدی جائزہ	Fاسلامیہ، بلوچستان
تسنیم خانم	فقہی تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ	Fاسلامیہ، اوپن
تسنیم کوثر	پاکستانی سکولوں میں قرآن کی تعلیم کا جائزہ	Fاسلامیہ، اوپن
ثناء اللہ غلام سرور	دراسۃ وتحقیق تفسیر معانی القرآن لمحمد بن دمور مصطفیٰ الرومی (سورۃ الفاتحہ والبقرۃ)	Fمعارف، سندھ
جہاں آرا ساجد	قرآن وسائنس میں تطبیقی مساعی ایک تنقیدی جائزہ	Fاسلامیہ، اوپن
حبیب الرحمٰن	بیسویں صدی عیسوی میں فکرِ اسلامی کے احیاء میں تفسیر فی ظلال القرآن کا کردار	Pاسلامیہ، کراچی
حبیب الرحمٰن	قرآن کا تصورِ مذہب	Pاسلامیہ، کراچی
حسنیۃ زین محمود	آراء کبار التابعین فی معانی القرآن الکریم من أول سورۃ النساء إلی آخر سورۃ یوسف فی تفسیر الطبری مع المقارنۃ والترجیح	Pالازہر، مصر
حیاری سلیم	الامثال القرآنیۃ دراسۃ وتبویباً	Pعربی، سندھ
خدا بخش	القیادۃ العسکریۃ فی ضوء القرآن والحدیث	Pعربی، پنجاب
ذاکر حسین	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۸۳-۱۲۳) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	Fاسلامیہ، اوپن
رابعہ بی بی	قرآنی تصورِ نفسیات اور اس کا اطلاق عہد جدید میں	Pاسلامیہ، کراچی
رضیہ جمال	سورۃ المائدہ کے مضامین کا تحقیقی مطالعہ عصر حاضر کے پس منظر میں	Pمعارف، سندھ

ساجدہ رحمٰن	اُردو تفاسیر میں قرآن کا اُسلوب	Pاسلامیہ، کراچی
سراج احمد	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱-۳۹) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	Fاسلامیہ، اوپن
سرحان جوہر	تحقیق جانب مشکلۃ الربط بین الآیات والسور فی تفسیر الطبری	Pعربی، پنجاب
سرور حسین خان	قرآن کی اشاریہ نگاری کا ارتقائی اور تحقیقی مطالعہ	Pاسلامیہ، کراچی
سلیمان الحوامدا	منہج التقسیم فی القرآن الکریم	Pاسلامیہ، کراچی
سلیمان ہاشم	ابن الجوزی ومنہجہ فی التفسیر	Pاسلامیہ، کراچی
سمیع الحق	التفسیرات الفقہیہ للآیات القرآنیۃ للامام المجتہد محمد بن الحسن الشیبانی المولود سنۃ ۱۳۲ھ	Pاسلامیہ، پنجاب
سید شیرین	قرآن کریم میں انسانی معرفت کے مدارک	Fاسلامیہ، پشاور
شایع بن عبدہ	استدراکات ابن عطیہ فی کتاب المحرر الوجیز علی الطبری فی تفسیرہ	Pاسلامیہ، مدینہ
شمس النہر طیبہ	قرآن کا تصورِ سیاست	Pاسلامیہ، کراچی
شمیم چیمہ	تفسیر حقانی اور تفسیر ماجدی کا تقابلی مطالعہ: مسیحی عقائد کے حوالے سے	Fاسلامیہ، اوپن
شہزا کوثر چیمہ	عورت کا مقام از روئے قرآن	Pاسلامیہ، ملتان
صاحب اسلام	الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم	Fاسلامیہ، پشاور
صفدر حسین صفدر	Quranic Sociology of Philosophy	P فلسفہ، پنجاب
صلاح الدین ثانی	علمائے دیوبند کی قرآنی خدمات	Pمعارف، سندھ
صمد ابراہیم	تفسیر الامام نسائی (تحقیق وتعلیق)	Pاسلامیہ، کراچی
ضیاء محمد	قرآن مجید اور بائبل میں محرمات کا تقابلی جائزہ	Fاسلامیہ، پشاور
طارق کمال	طبیعۃ الاحادیث النبویۃ الشریفۃ التی اثرت علی الفقہ العراقی فی القرآن اول الہجری	Pاسلامیہ، پنجاب
طاہر ملک	کتابتِ قرآن مجید اور کاتبین وحی: ایک تحقیقی جائزہ	Pاسلامیہ، پنجاب
عابداللہ	قرآن اور بائبل میں قوانین فوجداری کا تقابلی جائزہ	Fاسلامیہ، پشاور
عائشہ الہلالی	اُصول التفسیر والقواعد فی جامع البیان للامام الطبری	Pمحمد الخامص
عبدالجبار	قرنِ اوّل کا اُسلوبِ اجتہاد اور عصرِ حاضر	Pاسلامیہ، پنجاب
عبدالرحمٰن شیرزاد	الاسرائیلیات فی تفسیر الخازن (دراسۃ نقدیۃ)	P اسلامیہ، پنجاب
عبدالرشید	الدراسۃ المقارنۃ بین التفسیر المظہری	Pاسلامیہ، پنجاب
عبدالعزیز بن سعد	فقہ الامام ابن جریر الطبری فی العبادات	Pام القری، مکہ
عبدالعزیز بن عمر	الآثار الواردۃ عن السلف فی الإیمان بالملائکۃ والکتب والرسل من تفسیر الطبری جمعا وترتیبا ودراسۃ	Pامام، الریاض

عبدالوہاب	کشف المعانی فی التشابہ المثانی	P اسلامیہ، بہاولپور
عبدالرحمٰن	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۶۰-۸۲) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
عبدالرحیم خان	علم التفسیر میں اسرائیلیات وموضوعات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ	P اسلامیہ، کراچی
عبدالرزاق گھانگھرو	سندھی زبان میں قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر کا تحقیقی جائزہ	P معارف، سندھ
عبدالرشید قادری	زبور کا تحقیقی جائزہ اور قرآن کے متعلقہ موضوعات سے اس کا موازنہ	P اسلامیہ، پنجاب
عبدالرشید	امثال القرآن للماوردی	F معارف، سندھ
عبدالسلام قریشی	احکام فقہ قرآن کریم کی روشنی میں	F معارف، سندھ
عبدالعلی اچکزئی	قرآن حکیم میں مذکور قصص الانبیاء سے فقہی احکام ومسائل کا استنباط	P اسلامیہ، بلوچستان
عبدالقادر اعوان	انسان اور قرآن	P اسلامیہ، پشاور
عبدالقادر آزاد	مولانا اشرف علی تھانویؒ بطورِ مفسر قرآن	P اسلامیہ، پنجاب
عبدالقدوس	The Quranic Idea of Evolution	F معارف، سندھ
عبداللہ، حافظ	علم اُصولِ تفسیر میں فقہائے اُصولیین کی خدمات	P اسلامیہ، پنجاب
عبدالہادی سرہیو	قرآن کریم کی روشنی میں اخلاق حسنہ کی تعلیمات سندھی ادب میں	F معارف، سندھ
عبدالجواد خلف	القاضی بدرالدین بن جماعۃ حیاتہ و آثار و منہجہ فی التفسیر	P اسلامیہ، پنجاب
عبیدالرحمٰن	مسئلہ تکفیر: قرآنی تناظر میں	F اسلامیہ، پشاور
عزیزالرحیم	شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری کی علمی اور تفسیری خدمات	F اسلامیہ، پشاور
علی اکبر قادری	جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم: تدوین وتحقیق	P عربی، پنجاب
علی قمر یعقوب	منہاج التفسیر فی کتاب 'روح البیان فی تفسیر القرآن' دراسہ وتحقیق	P اسلامیہ، پنجاب
عمران رضا	قرآنی تصورِ اخلاق اور اس کا اطلاق عہدِ جدید میں، ایک تحقیقی مطالعہ	P اسلامیہ، کراچی
غلام جان	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۲-۲۳۰) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
فرح بتول	علمائے بلوچستان کی ترجمہ قرآن مجید اور تفسیر میں خدمات	F اسلامیہ، بلوچستان
فرح بتول	نسخ فی القرآن، مستشرقین کا نقطۂ نظر.....تجزیاتی مطالعہ	F اسلامیہ، پنجاب
فرحت ناز رحمٰن	Women and the Social Laws of Quran	P اسلامیہ، کراچی
فقیر حسین	بصرہ اور کوفہ کے نحوی مدرسے اور ان کا اختلاف' قرآن کی روشنی میں	P اسلامیہ، کراچی
گل ضمیر	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۳-۱۸۲) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
گل قدیم جان	قرآن اور انسانی حقوق	F اسلامیہ، پشاور
مامون عبدالرحمٰن	الروایات الاسرائیلیۃ فی تفسیر الطبری، من سورۃ الکہف إلی آخر سورۃ	

الناس		P اسلامیہ، مدینہ
مجیب اللہ شیخ	جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم	P عربی، سندھ
مجید اللہ قادری	کنز الایمان اور دیگر معروف اُردو قرآنی تراجم	P اسلامیہ، کراچی
محفوظ احمد	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰۳-۲۲۱) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
محمد ابراہیم خلیفہ	تحقیق مخطوطہ تفسیر الامام نسائی	P اسلامیہ، کراچی
محمد ابراہیم خلیل	کتبِ اُصول تفسیر (ایک جائزہ)	F اسلامیہ، پنجاب
محمد ابوزید	مخاصمۃ الفرق الاربع فی القرآن	P معارف، سندھ
محمد اسحاق اظہر	مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی تفسیری خدمات	F اسلامیہ، بہاولپور
محمد اسرائیل فاروقی	مذاہب باطلہ کے رد میں مؤلفین تفسیر ثنائی وحقانی کی کاوشیں	P اسلامیہ، پنجاب
محمد افتخار احمد	پاک وہند میں علمِ تجوید اور اس کی خدمات	P اسلامیہ، کراچی
محمد امین حسن	المستشرقون والقرآن الکریم	F معارف، سندھ
محمد ایاز خان	اناجیلِ اربعہ کے اہم مضامین کا جائزہ: قرآن حکیم کی روشنی میں	P اسلامیہ، ملتان
محمد ایوب	نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور ان کی تفسیر کا دینی ادب میں مقام	P اسلامیہ، پنجاب
محمد آصف ہزاروی	تورات کی کتاب پیدائش کا قرآن کی روشنی میں ناقدانہ جائزہ	P اسلامیہ، پنجاب
محمد جمیل	پاکستان کی منتخب اُردو تفاسیر کا تقابلی وتحقیقی جائزہ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۷ء	P اسلامیہ، کراچی
محمد حماد لکھوی	محمد بن بارک اللہ لکھویؒ کا تفسیری منہج	P اسلامیہ، پنجاب
محمد حنیف	غزواتِ نبویؐ: قرآن کی روشنی میں	F اسلامیہ، پشاور
محمد حنیف خان	تفسیر اور حدیث میں علماء سرحد کی خدمات	P معارف، سندھ
محمد دین قاسمی	تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ	P اسلامیہ، پنجاب
محمد رفیق	علامہ محمود آلوسی اور ان کی تفسیر 'روح المعانی' کا تحقیقی جائزہ	P اسلامیہ، پنجاب
محمد رمضان	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۴-۱۵۲) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
محمد سعد صدیقی	علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات' تنقیدی وتقابلی جائزہ	P اسلامیہ، پنجاب
محمد سلیم خالد	تفسیر نویسی فارسی در پاکستان وہند	P فارسی، پنجاب
محمد شعیب	اصلاح معاشرہ کے عمل میں قرآنی احکامات کی ترویج	P اسلامیہ، کراچی
محمد شفقت اللہ	تحقیق السلسبیل فی تفسیر التنزیل مع حیات مولف	P عربی، پنجاب
محمد شکیل اوج	قرآن مجید کے آٹھ منتخب اُردو تراجم کا تقابلی مطالعہ	P اسلامیہ، کراچی
محمد شکیل صدیقی	ہندوستان میں قرآن کی تفسیر کا ارتقاء	P اسلامی، کراچی

محمد شہباز	برصغیر کی اہم کلامی تفاسیر اور تحریک استشراق	P	اسلامیہ، پنجاب
محمد صادق	مفتی شیخ محمد عبدہٗ کے تفسیری اَفکار [تفسیر المنار کی روشنی میں]	P	اسلامیہ، کراچی
محمد صالح	علماء برصغیر کی خدمات لغات القرآن کے تحقیقی وتقابلی اور تفسیری اثرات	P	وفاقی، کراچی
محمد صدیق	تحقیق 'منتہی الایجاز لکشف الاعجاز' (شیخ محمد باقر لاہوری)	P	عربی، پنجاب
محمد طٰہٰ	قرآن حکیم کے محاورات واستعارات	P	اسلامیہ، کراچی
محمد عارف خان	قرآن مجید کے تصورِ حکم کے تناظر میں پاکستان کے نظام عدل کا علمی وتحقیقی مطالعہ	P	اسلامیہ، کراچی
محمد عبدالحی	مسلم بنگال کے علماء کی تفسیری خدمات	P	اسلامیہ، کراچی
محمد عبدالرحمٰن	الاسرائیلیات فی تفسیر الطبری دراسۃ فی اللغۃ والمصادر العبریۃ	P	القاہرہ،
محمد عبدالقیوم	روایات جمع وتدوین قرآن کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	P	عربی، پنجاب
محمد عبدالعلی	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۳-۱۸۸) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F	اسلامیہ، اوپن
محمد عبداللہ	اسلامی قوانین کی تدوین میں اسلامی نظریاتی کونسل کا کردار' تنقیدی جائزہ	F	اسلامیہ، اوپن
محمد عبداللہ	اُصول تفسیر میں فقہاء اُصولیین کی خدمات (دوسری صدی ہجری تا پانچویں صدی ہجری تک)	P	اسلامیہ، پنجاب
محمد عبداللہ	قرآن مجید کا منہج تربیت اور عصری ومعاشرتی مسائل	P	اسلامیہ، پنجاب
محمد عثمان	انوارالاسرار (تفسیر قرآن سورۃ الطّور سے سورۃ الحدید تک)	F	معارف، سندھ
محمد عرفان	سندھ میں قرآنی مخطوطات	P	اسلامیہ، کراچی
محمد عمر	الربوبیۃ فی القرآن الکریم	P	اسلامیہ، پشاور
محمد عمران	القراءات المتواترۃ واثرھا علی المعانی دراسۃ بلاغۃ ونحویۃ	P	اسلامی، کراچی
محمد فاروق حیدر	البرہان اورالاتقان' ایک تقابلی جائزہ	F	اسلامیہ، پنجاب
محمد لطیف	بیان القرآن کے مسائل السلوک کا جائزہ	F	اسلامیہ، اوپن
محمد منظور احمد	سرسید احمد خان اور پرویز کے تفسیری رجحانات کا تقابلی مطالعہ	F	اسلامیہ، بہاولپور
محمد نادر	قرآن کریم میں مذکورہ ادیان اوران کی دینی مصطلحات کا قاموس	F	اسلامیہ، پشاور
محمد یاسین ساجد	الجامع لاحکام القرآن سے تفسیر سورۃ البقرۃ (آیت ۱-۲۰) کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F	اسلامیہ، اوپن
محمد یونس	اُردو فقہی تفاسیر: ایک تقابلی جائزہ	F	اسلامیہ، اوپن
محمد یونس	قرآن حکیم کی معاشی اصطلاحات کا مفہوم	F	اسلامیہ، اوپن
محمود اختر، حافظ	تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ	P	اسلامیہ، پنجاب
محمود الزین	المباحث البلاغیۃ فی تفسیر الطبری (علم المعانی)	P	الازہر، مصر
محمود محمد شبکہ	محمد بن جریر الطبری ومنہجہ فی التفسیر	P	الازہر، مصر
مرشد سعید احمد محمود	الحذف والتقدیر فی القرآن الکریم	P	عربی، پنجاب
مسرور علی قریشی	Quranic Concept of Human Rights	P	اسلامیہ، کراچی
مسعود باللہ عباسی	صحاح ستہ میں کتبِ تفاسیر قرآن کا تحقیقی وتقابلی جائزہ	P	وفاقی،

کراچی

مظفرالدین	التحقیق والتعلیق علی ''بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن''	P عربی، پنجاب
ملیحہ لودھی	Philosophy of Evil in the Quran	P فلسفہ، پنجاب
منیر احمد خان	سندھ میں عربی، فارسی، اُردو کے قرآنی تراجم وتفاسیر کا تحقیقی جائزہ	P معارف، سندھ
منیر احمد مغل	عبیداللہ سندھی کی تفسیر 'المقام المحمود' (سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرہ) ترتیب وتحقیق وانگریزی ترجمہ	F معارف، سندھ
نثار محمد ناصر	اعجاز القرآن العلمی	P اسلامیہ، پشاور
نسرین پروین	قرآن حکیم میں لغوی ترادف کا مسئلہ اور اس کے تفسیر پر اثرات	F اسلامیہ، اوپن
نسیم اختر صدیقی	التفسیرات الاحمدیہ (ملاجیون): تحقیق وتخریج	F اسلامیہ، اوپن
نسیمہ شاہین	سورۃ النساء کے مضامین کا تحقیقی مطالعہ اور عصر حاضر کے تقاضے	P عربی، سندھ
نصار نصار	تفسیر الطبری ورجال تفسیرہ	P اسلامیہ، پنجاب
نصرت ضیاء	چودھویں صدی ہجری میں اُردو زبان کے تفسیری ادب پر مقامی سیاسی اثرات	F اسلامیہ، اوپن
نور حبیب	تفسیر مواھب الرحمٰن کا تحقیقی جائزہ	P اسلامیہ، پنجاب
نوشین ظہیر	Human Embrylogy and Quran (انسانی جنین کی نمو وتشکیل اور قرآن)	F اسلامیہ، بلوچستان
نوید المظفر	اُنیسویں صدی کے منتخب مفسرین کی تفاسیر اور ان کے اُصولِ تفسیر کا مطالعہ	P اسلامیہ، کراچی
ہدایت اللہ	الجامع لاحکام القرآن تفسیر سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ تخریج اور تنقیدی حواشی	F اسلامیہ، اوپن
یحییٰ عامر راشد	جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم	F معارف، سندھ
یوسف طلال	احکام القرآن	F اسلامیہ، بہاولپور
یوسف عثمان	ہدایۃ الانسان الی الاستغناء بالقرآن	P عربی، پنجاب
یوسف عواد سالم	النکات البلاغیۃ فی فن الفصل والوصل فی سورۃ البقرۃ	P عربی، سندھ

❀.....❀❀.....❀

جن یونیورسٹیوں کے نام اس فہرست میں مختصر صورت میں درج کیے گئے ہیں، اُن کی تفصیل:

اسلامیہ، پشاور	شعبۂ علوم اسلامیہ: پشاور یونیورسٹی، پاکستان
اسلامیہ، مدینہ	شعبۂ علوم اسلامیہ: مدینہ یونیورسٹی، سعودیہ
اسلامیہ، اوپن	شعبۂ علوم اسلامیہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
اسلامیہ، بلوچستان	شعبۂ علوم اسلامیہ: بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
اسلامیہ، بہاولپور	شعبۂ علوم اسلامیہ: اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
اسلامیہ، کراچی	کلیہ معارفِ اسلامیہ: کراچی یونیورسٹی، کراچی
اسلامیہ، پنجاب	شعبۂ علوم اسلامیہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور
اسلامیہ، ملتان	شعبۂ علوم اسلامیہ: بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
الازہر، مصر	کلیہ علوم اسلامیہ، جامعۃ الازہر، مصر

ام القریٰ، مکہ	کلیہ علوم اسلامیہ: اُم القریٰ یونیورسٹی، مکۃ المکرّمۃ، سعودیہ
امام، الریاض	کلیہ علوم اسلامیہ، امام ابن سعود یونیورسٹی، ریاض، سعودیہ
عربی، پنجاب	شعبۂ عربی: پنجاب یونیورسٹی، لاہور
عربی، سندھ	شعبۂ عربی: سندھ یونیورسٹی، جام شورو
فلسفہ، پنجاب	شعبۂ فلسفہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور
محمد الاول	شعبۂ علوم اسلامیہ: محمد الاول یونیورسٹی
محمد الخامص	شعبۂ علوم اسلامیہ: محمد الخامص یونیورسٹی
معارف، سندھ	کلیہ معارفِ اسلامیہ: سندھ یونیورسٹی، جام شورو
وفاقی، کراچی	وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی

تعارف وتبصرہ

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

نام کتاب : نقوشِ سیرتؐ

مصنف : عتیق الرحمٰن صدیقی

ضخامت:224 صفحات قیمت:240 روپے

ملنے کا پتہ: دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

عتیق الرحمٰن صدیقی عالم دین، ماہر تعلیم اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تحریر میں سنجیدگی، احتیاط، دین کے ساتھ لگاؤ، عقیدے کی پختگی اور حب رسول نمایاں ہے۔ ان کے والد مرحوم حیدر زمان صدیقی معروف عالم دین اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

اس کتاب میں مصنف نے سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے بیس سے زیادہ موضوعات پر بحث کی ہے اور ہر موضوع پر مستند معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کے صرف زبانی دعوے کے قائل نہیں بلکہ وہ اس بات کو لازمی قرار دیتے ہیں کہ لوگ آپؐ کے ارشادات اور فرامین کو ذوق وشوق کے ساتھ معلوم کریں اور آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ تو نرا دھوکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقیدت کے اظہار میں تو زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے جائیں مگر آپؐ کی اطاعت اور اتباع سے زندگی خالی ہو۔

اس کتاب میں دیگر اُمور کے علاوہ اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں توکل علی اللہ، زہد وقناعت، جذبہ حب الٰہی، نرم مزاجی اور طہارت ونظافت کی حقیقت اور اہمیت واضح کی گئی ہے۔ یہ کتاب وقت کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ وہ سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کرے، آپؐ کی پسند وناپسند سے واقفیت حاصل کرے اور آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ کتاب اس مقصد کو بڑی حد تک پورا کرتی ہے۔

کتاب حسن حقیقی کے علاوہ جمال ظاہری سے بھی مزین ہے۔ کمپوزنگ اعلیٰ معیار کی اور جلد مضبوط ہے۔

(۲)

نام کتاب : اربعین [امام نوویؒ کی اپنی تشریح کے ساتھ]

مرتب : امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : ارشاد الرحمٰن

ضخامت: بڑے سائز کے 400 صفحات قیمت: 400 روپے

ملنے کا پتہ: دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

رسول اللہ ﷺ نے چالیس احادیث یاد کرنے اور لکھنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اُمت میں دین کی اشاعت کے لیے چالیس حدیثیں محفوظ کیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے فقہاء اور علماء کے زمرے میں اٹھائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس ترغیب کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق چالیس احادیث کے مجموعے شائع کیے۔ ان میں امام یحییٰ بن شرف النووی کی ''اربعین'' کو سب سے زیادہ قبولِ عام ملا۔ اس مجموعے میں شامل احادیث کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ زیرتبصرہ کتاب امام نووی کی اربعین کی وہ شرح ہے جو خود امام صاحب نے لکھی ہے۔ ارشاد الرحمٰن صاحب نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر کچھ مفید اضافے بھی کر دیے ہیں۔

امام نووی ساتویں صدی ہجری کے ممتاز محدث اور فقیہہ گزرے ہیں۔ آپ ذہانت اور ذکاوت کی دولت سے مالا مال تھے۔ نوعمری ہی میں قرآن حفظ کر لیا اور پھر ہمہ تن علم دین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چوبیس برس کی عمر میں آپ نے علومِ اسلامیہ کی تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کا طرزِ زندگی زہد و قناعت پر مبنی تھا۔ بڑے عبادت گزار تھے، اوراد و وظائف کے ساتھ آپ کو گہری مناسبت تھی۔ آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ امام صاحب حق پرست اور حق گو تھے۔ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا آپ کی عادت تھی۔ آپ کی جرأت ایمانی کا نتیجہ ہے کہ وقت کے حکمرانوں کو آپ کی حق گوئی پر گرفت کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ آپ صرف ۴۵ سال کی عمر میں آسودۂ خاک ہو گئے۔ آپ کی مختصر سی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت دی تھی کہ ۵۰ سے زائد کتب کی تصنیف اور تشریح کا گراں قدر کام سرانجام دیا، جو ۸۵۰ برس سے اُمت مسلمہ کے لیے بیش قیمت علمی سرمایہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

اربعین نووی میں امام صاحب نے وہ احادیث منتخب کی ہیں جو صحتِ عقائد اور دین کی بنیادی باتیں سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ زیرتبصرہ کتاب کی اہمیت اور افادیت اس لیے بھی بہت زیادہ ہو گئی ہے کہ اس میں احادیث کی تشریحات خود امام صاحب نے کی ہیں۔ امام صاحب نے ہر حدیث پر سیر حاصل تبصرہ کیا

ہے اور اُس میں بیان کردہ تعلیم کو بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ احادیث کی تشریح میں آیاتِ قرآنیہ بھی پیش کی گئی ہیں اور موقع کی مناسبت سے عربی اشعار کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔

ارشاد الرحمٰن صاحب نے احادیث کی تشریح کو اردو کا جامہ پہنایا ہے اور اُسے مفید تر بنانے کے لیے کہیں کہیں ضروری اضافے بھی کیے ہیں۔ ہر حدیث کے الفاظ کے معانی اور ان کی تشریح بیان کر کے مفہوم سمجھنا سہل کر دیا ہے۔

احادیث کے اس مجموعے کی افادیت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے تاکہ وہ صحت عقائد کے ساتھ دین اسلام کی ضروری تعلیمات سے واقف ہو۔

(۳)

نام کتاب : انسائیکلو پیڈیا قرآنیات (مع عالمی مذاہب)

قسط نمبرا، جنوری ۲۰۰۹ء

مدیر اعلیٰ : سید قاسم محمود

ضخامت: 80 صفحات قیمت فی قسط: 100 روپے (سالانہ رکنیت کے لیے 1000 روپے)

ملنے کا پتہ: شاہکار بک فاؤنڈیشن 35-اقبال ایونیو گرین ٹاؤن، لاہور

سید قاسم محمود کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علم و تحقیق کے میدان میں اُن کا نام جانا پہچانا ہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایک ماہنامہ احیائے علوم بھی ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ سید صاحب اپنی ذات میں انجمن ہیں۔ انہوں نے تحقیق کے سلسلہ میں تن تنہا وہ کام کیے ہیں جو ادارے بھی آسانی کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا ان کا دل پسند موضوع ہے۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا اور انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا منظرعام پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

زیر تبصرہ قسط وار انسائیکلو پیڈیا قرآنیات (مع عالمی مذاہب) کی پہلی قسط ہے، جو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے۔ اس شمارے میں آ، آبا سے لے کر آریہ مذہب تک کے الفاظ کی سیر حاصل توضیح ہے۔ قرآن مجید، احادیث رسولؐ میں آنے والے الفاظ جو ''آ'' کے تحت آتے ہیں اور وہ الفاظ جو دوسرے مذاہب کے لٹریچر میں آئے ہیں اُن کے متعلق بھرپور معلومات دی گئی ہیں۔ یوں یہ شمارہ انسائیکلو پیڈیا قرآنیات کی پہلی قسط ہے۔ اس طرح کی متعدد اقساط میں یہ شاہکار قاموس مکمل ہوگا جو ریفرنس بکس میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اشاعت میں عجلت سے کام لیا جا رہا ہے، کیونکہ کمپوزنگ کی غلطیاں جا بجا ملتی ہیں۔

۞۞۞

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Al-Baqarah

(Ayaat 60-85)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾

(60) And when Musa prayed for water for his people, We said: "Strike the rock with your staff." Thereupon gushed forth from it, twelve springs. Each tribe had recognized its drinking-place. (And We said): "Eat and drink of what Allah has provided and do not create turbulence in the earth, being mischief-mongers."

The *Torah* states that there was no source of water in the desert and the *Bani Israel*, six hundred thousand in number, gathered around *Musa* (AS) and started cursing and blaming him for the condition they were in, because although they were slaves in Egypt under Pharaoh's rule, they used to have food, water and other necessities of life. They asked *Musa* (AS) to pray to his Lord for water, and when he did so, Allah (SWT) ordered him to strike the rock with his staff, upon which twelve springs gushed forth from it. The Israelite tribes were also twelve in number, each being the progeny of one of the twelve sons of *Ya'qoob* (AS), and Allah (SWT) bestowed a great favor on them by providing one spring for each tribe so as to eliminate the chances of their mutual disputes over water.

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

(61) And when you said: "O Musa! We shall not at all persist with one kind of food; so invoke your Lord for us to bring out for us (food) out of what the

earth grows, of its green-herbs, its cucumbers, its garlic, its lentils, and its onions." He asked: "Do you want to exchange that which is better for that which is inferior? Go down to some town, and you will have what you have asked for.[19]*." And humiliation and misery were stamped over them and they returned with the wrath of Allah. That was because they went on rejecting the Ayaat of Allah and slaying the Prophets without just cause; that was because of their disobedience and transgression.*

Allah (SWT) had provided them with *Mann* and *Salwa*, which fulfilled all their dietary needs and they did not have to carry out any hard labour or cultivation to acquire them. Despite this blessing of Allah (SWT), they became ungrateful and demanded for the things produced by earth, which add taste to food and which they were accustomed to. *Musa* (AS) told them to settle down in a city and cultivate, if they wanted something inferior in place of the splendid food provided to them by Allah (SWT). *"And humiliation and misery were stamped over them and they returned with the wrath of Allah. That was because of their rejecting the Ayaat of Allah and slaying the Prophets without just cause; that was because of their disobedience and transgression."* This portion of the *ayah* is very important. It tells us that the reason for the humiliation and misery stamped on the *Bani Israel* as a punishment from Allah (SWT) was their own misdeeds and crimes, which are recorded in their own history as well. They defied the truth, disbelieved in Allah's *ayaat*, rejected Prophets and killed them and thus drew Allah's wrath upon themselves.

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

(62) Verily those who have believed and those who were Jews and the Christians and the Sabians--whoever believes in Allah and the Last Day and performs good deeds, for them is their reward with their Lord and no fear shall come upon them; nor shall they grieve.

Sabians belonged to a monotheistic religion, which followed John the Baptist (AS) but nothing can be said about them for sure. Some say they are the same group called *Subbi.*[20] which lives in Iraq at present time, but if one examines their beliefs, it does not seem likely that they are the same *Sabians* that the *Qur'an* has mentioned. Allah (SWT) states that the earlier nations who were righteous and obeyed Allah (SWT) received their due reward for their good deeds. And this shall remain the case till the *Day of Judgment*. So whoever believes in Allah (SWT), His Messenger, the *Day of Judgment*, and does righteous deeds will have his rewards

with Allah (SWT), acquire eternal happiness and have a life without any fear or grief in the Hereafter.

Some wrong-headed people in our time have tried to deceive people, arguing erroneously from this *ayah*, by saying that to achieve salvation one does not need to believe in Prophet Muhammad (SAW) and the two articles of faith discussed here i.e. belief in Allah (SWT) and in the Hereafter are enough for one's salvation. But in reality, this *ayah* is not stating all the articles of faith; the details of the articles of faith are mentioned at numerous other places in the *Qur'an*. The purpose of this *ayah* is to clarify the misconception of the Jews that they are the chosen ones and that only they would enter the Paradise. It spells out that salvation does not depend upon lineage or race but on righteousness. As far as the belief in Prophet Muhammad (SAW) is concerned, in the sixth *ruku* of this *surah*, Allah (SWT) has already invited the Jews to accept Islam by believing in the Prophethood of Muhammad (SAW) in order to achieve salvation and eternal bliss. In context, this *ayah* clarifies that those people who were Jews, Christians or Sabians, and followed their own Prophets before the advent of Prophet Muhammad (SAW), believed in Allah (SWT) and the Hereafter and did righteous deeds will have their rewards with Allah (SWT). But now that Allah (SWT) has revealed the *Qur'an* to Muhammad (SAW), it has become incumbent on a person to believe in him and the last revealed Book, along with other articles of faith.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

(63) And when We took a covenant from you and raised over you the Mount (Saying): "Hold fast to what We have given you and remember whatever is therein so that you may save yourselves".

After the punishment given by Allah (SWT) to those who had worshipped the calf, *Musa* (AS) went to speak to his Lord with seventy men from the *Children of Israel*. They repented to their Lord and made a firm covenant with Him. Allah (SWT) raised the *Mount of Sinai* above their heads while taking this pledge from them, so that they would strongly hold on to and abide by it with sincerity and earnestness.

In contrast to the *Progeny of Israel* and the other previous nations who were shown several supernatural phenomena as miracles, this present Muslim *Ummah* has been given the *Qur'an*, which in itself is the miracle of miracles. *"Hold fast to what We have given you and remember whatever is therein"* refers to the recitation and the implementation of the *Torah*.

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

(64) "Then you turned away after that. So had it not been for the grace of Allah upon you and His mercy, indeed you would have been among the losers."

Even after that firm covenant that the *Children of Israel* had made with Allah (SWT), they rebelled and broke their pledge. *"So had it not been for the grace of Allah"*, by forgiving them and by sending His Prophets and Messengers to them, they would have been among the losers in this world as well as in the Hereafter.

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾

(65) "And certainly you have known those amongst you who violated the injunction of the Sabbath. So We said to them: "Be you monkeys despised and rejected".

Sabbath means Saturday. Allah (SWT) had commanded the Israelites to rest and worship on this day and abstain from worldly pursuits. This commandment was so strict that the punishment for its violation was to be put to death [21]. Allah (SWT) sent a great torment to those who disobeyed Him and broke their covenant to observe the sanctity of *Sabbath* Day. This account has been narrated in detail in *surah Al-A'raaf*.

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

(66) "Thus We made it a lesson for those who were before it (i.e. contemporaries) and who came after it and an admonition for the God-fearing."

Allah (SWT) made them an example for those who lived at their time, as well as a reminder for those to come, by preserving their story. The punishment that this village suffered was because of their rebellion and disobedience of the commandments of Allah (SWT). Hence Allah (SWT) says, those who have *Taqwa* should be aware of their evil behavior, so that this punishment does not befall them as well.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

(67) "And when Musa said to his people: "Verily Allah commands you to slaughter a cow". They replied: "Do you make fun of us?" Musa answered: "I seek refuge with Allah from being one of the ignorant."

The Israelites who had become accustomed to cow-worship were ordered to slaughter a cow in order to outgrow and overcome this devotion of theirs. In this way, their faith was being tested. They, on the other hand, wanted to stay away from this and thus started to make excuses.

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۚ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

(68) They said: "Call upon your Lord for us to explain to us what (sort of cow) she is". Moses said: "Surely Allah says, in fact she is a cow neither too old nor too young but of middle age between that; now do what you are commanded!

The Israelites tried to shelve away from this issue and started asking unnecessary questions, whereupon Allah (SWT) made it even more difficult for them. They were ordered to slaughter a cow that was neither too old nor too young for breeding and was at its strongest and fittest.

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾

(69) They said: "Call upon your Lord for us to explain to us what her colour is". Musa said: "Surely Allah says, in fact it is a yellow cow -- bright in its colour, pleasing the beholders".

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۚ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

(70) They said: "Call upon your Lord for us to explain to us what exactly she is; in fact all cows look alike to us. And we, if Allah wills, shall definitely be rightly guided.

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾

(71) Musa said: "Surely Allah says, in fact it is a cow; neither trained to till the soil nor waters the crops; sound without blemish in her. They said: "Now you have come up with the exact description, so they slaughtered her, though it seemed they would not carry out.

After all the questions and queries, the Jews were still reluctant to slaughter the cow because of their obstinacy, but finally carried out the order.

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾

(72) And when you killed a person, then you started blaming each other therein and Allah was to bring forth what you were hiding.

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

(73) So We said: "Strike it (i.e. the dead body) with some part of her (i.e. the slaughtered cow). Like that Allah revives the dead and He shows you His signs so that you may understand.

They struck him with it and he came back to life and disclosed the story of the crime. Allah (SWT) made this incident a proof against the Jews, who, due to their evil deeds, had become skeptical about resurrection. Allah (SWT) showed them His signs so that they might understand that Allah (SWT) will bring them back to life in the Hereafter, just as he had brought that dead person to life.

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ
وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

(74) *Then your hearts were hardened after that, so they were like the rocks, or more intense in hardness. And of course among the rocks is such wherefrom rivers gush forth; and of course among them is the one which splits asunder then water comes out of it; and of course among them is the one which falls down due to fear of Allah. And Allah is not unaware of what you do.*

Here Allah (SWT) has criticized the Jews because even after witnessing great signs and miracles from Allah (SWT), including bringing a dead person to life, their hearts, instead of softening, became so hard and obstinate that they were not ready to accept any admonition. Unfortunately, the condition of many Muslims today is the same. We have the greatest miracle of Allah, the *Qur'an*, but if we do not obey Allah (SWT) and follow His Messenger (SAW), we may also meet the same fate, and our hearts (Allah forbid) may become hard.

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

(75) *Do you still hope that they will believe you, when in fact a party from among them used to hear the word of Allah; and then, after having understood it, used to distort it knowingly?*

This *ayah* addresses the Muslims and tells them about the Jews of *Madinah*, who knew from their scriptures that what Muhammad (SAW) had brought was the truth, but they intentionally distorted their books and interpreted them erroneously.

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

(76) *And when they meet the believers they say: "We (also) believe." But when they meet one another in private they say: "Are you telling the believers what Allah has disclosed to you so that they may argue against you therewith before your Lord? Have you then no sense"?*

This *ayah* also refers to the Jews of *Madinah*. Some of the Jews, when meeting the Muslims, used to say that they believed that Muhammad (SAW) was the Messenger of Allah (SWT), referring to the prophecies present in *Torah* about the advent of Prophet Muhammad (SAW). However, they used to say that he (SAW) had been sent for the Arabs only. But when they met other Jews, they would advise one another to disbelieve in him and not let the Muslims know that they had been waiting for Allah's Messenger and that they found his coming foretold of in their Book. They thought that in case of knowing these prophecies, the Muslims might use them as an argument against them before Allah (SWT) on the Day of Judgment. Allah (SWT) comments on this in the next *ayah*:

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

(77) Do they not know that Allah knows whatever they conceal and whatever they proclaim?

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

(78) And among them there are illiterates who do not know the Book except (their) wishful thinking; and they do nothing but conjecture.

There were also many illiterate Jews in *Madinah,* who did not know how to read or write, and because they lacked knowledge, they fabricated the whole religion out of their desires and used to read into their scriptures what they wanted. The same can be said for the Muslims today; most of them recite the *Qur'an* but do not know its meanings. They spend long years learning science and literature but are not prepared to even learn Arabic so that they can understand the *Qur'an* when they read or listen to it.

Another reason why the Jews ignored their Books was their wishful thinking. As we will read in the following *ayah*, they thought of themselves as the chosen ones and maintained that they would not enter the Hellfire except for a few days. Similarly, many Muslims today have also fabricated the belief that their salvation is guaranteed and the Prophet (SAW) will intercede for them, regardless of whether they truly abide by Allah's commands or not.

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

(79) So woe to those who write the Book with their own hands, then say: "This is from Allah", so that they may purchase (get) therewith a petty price! Woe to them for what their hands have written and woe to them for what they earn.

This refers to another category of people within the Jews, the *rabbis*. They altered the Book of Allah (SWT) and wrote another book with their own hands. They interjected into it their interpretations of the scriptures and then said, *"This is from Allah"*. And they did this for a petty price. The small amount here means this life and all that it contains. They might have earned a little in this world, but Hellfire is their abode in the Hereafter.

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

(80) And they say: "The Hellfire will not touch us except for a few numbered days. Say: Have you taken some covenant from Allah? Then Allah (SWT) never goes back on His promise. Or do you say about Allah what you do not know?

The Jews believe that the fire of Hell will not touch them except for a few days. They say that it will touch them for a mere forty days and then they will enter the Paradise, just by virtue of being Jews. So Allah (SWT) orders His Messenger to tell them that if He (SWT) had made a promise that they would remain immune from the Hellfire, He (SWT) would not break His promise. However, such a promise does not exist and they say about Allah (SWT) what they have no knowledge about.

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱

(81) Why not! Whosoever earns (willfully) one sin and his sin encircles him, then such are the companions of Fire; they will be therein 'permanent residents'.

The Jews believe that they will be saved from the Hellfire even if they commit evil deeds, but on the contrary, Allah says that whosoever does an evil deed and abides deliberately in his error, will be among the inmates of Hellfire.

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲

(82) And those who believe and do good deeds, they are the companions of Paradise and they will be therein 'eternal residents'.

The Muslims, who believe in Allah, His Messenger and the Hereafter and perform good deeds that conform to the Islamic law, will enter Paradise for eternity. They will receive their reward in the Hereafter; they will be in Allah's presence and achieve salvation in the highest degree and the pinnacle of felicity.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾

(83) And when We took a covenant from the Children of Israel (saying): "Do not worship anyone or anything except Allah; and be good to the parents, the relatives, the orphans, and the needy; and speak fair to the people; and establish 'Salah' and pay 'Zakah'. Then you turned back except a few among you, while you were averse.

Allah reminds the *Children of Israel* about the commandments He gave them. The first and the foremost commandment given to them as well as to all Prophets and their nations is to worship Allah alone and not associate partners with Him. After Allah's right comes the right of the parents. Allah has commanded His servants to be kind and compassionate towards their parents and relatives, give the orphans their due right and give charity to the poor and to one who does not have what he needs for himself and his family. Speaking fair to people includes commanding the good and forbidding the evil, as well as saying good words and being lenient with them. Allah also commands His servants to establish prayers and give obligatory charity. Allah informs us that the Jews, except a few among them, ignored these orders and intentionally contravened them.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾

(84) And when We took a covenant from you (saying): "Do not shed blood among yourselves and do not expel your own people from your homes". Then you agreed and you yourselves bear witness.

Allah reminds the *Children of Israel* of another covenant. Allah had commanded them in *Torah* not to kill, fight with, or drive one another out of their homes. When the Jews entered the Holy Land of Jerusalem with Prophet *Musa* (AS), they divided into groups, each tribe governing its own state, and when they fought, they would kill one another, take them as prisoners, and drive them out of their land. Allah reminds them of their disobedience and transgression. *Then you agreed and you yourselves bear witness* i.e. you testified that you made the covenant and you were witnesses to it but you still broke it.

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

(85) Then here you are, killing your own people and expelling a group amongst you from their homes; backing each other against them with sin

and aggression. And if they come to you as captives, you ransom them whereas their very expulsion was unlawful for you. Do you then believe in a part of the Book and reject the rest? Then what can be the reward of those who do that among you, except disgrace in the present life and on the Day of Resurrection they will be returned to the most severe torment. And Allah is not unaware of what you do

When the Jews divided into tribes and fought each other, each tribe would kill those from the other tribe, expel them from their homes, and help their enemies. This was clearly prohibited by Allah (SWT) in the *Torah,* but they ignored His commandments. Allah (SWT) had also commanded the Jews to ransom their brethren if they were captured. They used to help their enemies against other Jews, kill them and take them as prisoners, and when the war ended, they would ransom them. But Allah says: *"whereas their very expulsion was unlawful for you".* They did not follow Allah's commandments in the first place, according to which they had been prohibited to fight. Afterwards, they would ransom their brethren, and say that they were fulfilling the rulings of the *Torah,* thus acting on one commandment of Torah and rejecting the other parts of it. Therefore, Allah reminds them of their behaviour and says: "*Do you then believe in a part of the Book and reject the rest"?* This commandment is not only for the Jews but is also applicable to the Muslims of today, who accept a part of the *Deen* and reject the other. Allah prohibits in the *Qur'an* the consumption of *Riba* (interest), gambling, drinking alcohol and committing *Zina* (adultery), but unfortunately, most of the Muslims today indulge in these heinous sins, one way or the other. Although they believe in the *Qur'an*, offer *Salah*, give *Zakah*, and know that what they are doing is wrong, but still persist with their sins, just like the Jews who followed a part of the *Torah* and ignored the other. *"Then what can be the reward of those who do that among you, except disgrace in the present life and on the Day of Resurrection they will be returned to the most severe torment. And Allah is not unaware of what you do".*

Endnotes

[19] The word used here is اهْبِطُوا, meaning, to settle down or come from a higher place to a lower one.

[20] Latest researches have revealed a small group of religious community numbering about 2000 people, in lower Iraq in Basra. In Arabic they are called 'Subbi'. They claim to be Gnostics, knowers of great life. Their book is Ginza which is in Aramaic dialect. They have theories of darkness and Light as in Zoroastrianism.

[21] Exodus, 31: 12-17.